دت بھارتی

(ایک ناول)

آدھی روٹی

دت بھارتی

کسم پرکاشن اسٹیشن روڈ الہ آباد ۳

ایشیا کے عظیم فنکار

کرشن چندر

کا

ایک اور رومانی شاہکار

چندا کی چاندنی

قیمت ۳ روپے

ہم شائع کر چکے ہیں۔

جلد طلب کیجئے

بار اول
۱۹۷۱ء

قیمت
دو روپے

ناشر
سید محمد ہاشم

پبلشر
کسم پرکاشن
۱۷- شیو چرن لال روڈ
الہ آباد-

پرنٹر
تاج آفسٹ پریس
الہ آباد

پہلا حصہ سنہ ۱۹۴۱ء

National News Corner
PROP:- SYED MOHAMMED
KAMAREDDY. DT. NIZAMABAD

"ارے — ارے رامو — او رام —" بوڑھی ماں نے بیٹے کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "اٹھو بیٹا! اٹھو! دیکھو دن نکل آیا ہے۔"

"مجھے اوں ہوں —" بیٹے نے کروٹ لی اور چادر سے چہرہ ڈھک لیا۔

"اٹھو بیٹا! اٹھو!" ماں نے پھر جھنجھوڑا۔ "سورج اتنا بلند ہو گیا ہے یہ سونے کا وقت نہیں ہے۔"

"کیا ہے ماں —" رام دیال نے جھنجھلا کر کہا۔ "مجھے سونے کیوں نہیں

"رام بیٹا!" ماں نے شفقت بھری آواز میں کہا۔ "سورج نکلنے کے بعد سونا پاپ ہے۔ اور جو لوگ سوتے رہتے ہیں ان کے گھروں میں غربت اور افلاس ناچتے رہتے ہیں۔"

"ماں تمھارا دماغ چل گیا ہے۔" رام دیال مجبوری کی حالت میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں بیٹا تم ٹھیک کہتے ہو۔ اب میں بوڑھی ہو گئی ہوں اور میرا دماغ چل گیا ہے۔" ماں نے بھاری آواز میں کہا۔

"یہ بات نہیں ماں —" رام دیال کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ "لیکن سونے سے غربت اور افلاس دور کیوں کر ہو سکتے ہیں؟"

"یہ بات بڑے بوڑھے کہتے آئے ہیں کہ اگر سورج نکلنے تک سوتے رہو تو گھر میں رزق نہیں آتا۔ گھر میں غریبی، بھوک اور ننگ رہتی ہے۔"

"ٹھیک کہتی ہو ماں!" رام دیال نے چارپائی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے پتا جی برسوں سے سورج نکلنے سے پہلے اُٹھتے آئے ہیں۔"

"ہاں بیٹا —"

"اسی لئے! گھر کی ایک ایک شے اور در و دیوار سے غربت اور افلاس ٹپکتا ہے۔ گھر میں کھانے کے لالے پڑے رہتے ہیں۔ یہ بستر دیکھا ہے اپنے بیٹے کا ماں۔" رام دیال نے مضحکہ خیز لہجے میں ہنس کر لپٹا ہوا بستر کھول دیا۔ "یہ تکیہ دیکھو ماں! اس پر غلاف ہی نہیں ہے۔ اور نہ معلوم کتنے برسوں سے استعمال ہو رہا ہے سر کے تیل کی تہہ جم گئی ہے۔ کبھی اسی کپڑے پر کوئی رنگ ہوگا۔ یا پھول ہوں گے لیکن اب یوں دکھائی پڑتا ہے جیسے تیلی کا لباس ہے اور یہ دری دیکھو — کم از کم پندرہ برس پرانی ہو گئی — درمیان سے پھٹی ہوئی — بوسیدہ — اور اوڑھنے کیلئے یہ چادر ہے — ماں سچ بتا ذرا اسے چادر کہتے ہیں۔"

"بیٹا! دنیا میں امیری غریبی مقدر سے ملتی ہے۔ اور رکھنے والا جس حالت میں رکھے اسی کا شکر ادا کرنا چاہئے —" ماں نے کہا۔

"وہ تو صبح شام ہم کرتے ہیں۔ ماں تم نے گھر میں بھگوان کی مورتی رکھ چھوڑی ہے جس کے آگے دیا جلاتی ہو۔ آرتی اتارتی ہو بھجن گاتی ہو لیکن — لیکن اس سے حاصل کیا ہے۔ یہ بستر — یہ گھر۔ یہ ننگ — یہ بھوک — افلاس —" رام دیال نے مسکرا کر کہا۔

"بیٹا تم ناشکرے بنتے جا رہے ہو۔ اس طرح کی باتیں نہیں کرتے۔ خدا سے ڈرنا چاہئے ہمیں۔"

"ٹھیک کہتی ہو ماں! ہمیں خدا سے ڈرنا چاہئے۔ اور میں ڈرتا بھی ہوں میں ناشکرا نہیں ہوں — لیکن ماں ایسا بھی کیا — کہ بھگوان روٹی سے بھی پریشان کر دے —" رام دیال نے شکوہ کیا۔

"پھر بھی اسی کا شکر ہے۔ دنیا میں کتنے آدمی ہیں جو ہم سے بھی نیچے ہیں ہمیں روکھی سوکھی ملتی ہے لیکن دو وقت ملتی تو ہے۔ نہ معلوم کتنے کروڑ آدمی ہیں جنھیں ایک وقت ملتی ہے اور کتنے ہیں جو دو دن میں ایک بار کھاتے ہیں۔ ہم ان سے

کتنا اچھے ہیں۔ ہمیں اس خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے ——" ماں نے کہا۔ اس کی آواز میں حوصلہ اور بھگتی نمایاں تھی جس کے سہارے اس نے ساری زندگی گذار دی تھی اور گھر میں چھ بچوں کو پالا تھا اور اب بھی پال رہی تھی۔

"میں ناشکرا نہیں ہوں ماں! مجھے کاریں اور کوٹھیوں کے خواب نہیں آتے ہیں مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ پیٹ بھر روٹی مل جائے، صاف کپڑا پہننے کو مل جائے خواہ وہ کتنا ہی عامیانہ اور سستا کیوں نہ ہو۔ یہ قمیض جو میں نے پہن رکھی ہے بہت معمولی کپڑے کی ہے مجھے اس پر اعتراض نہیں۔ اگر کوئی ہے تو صرف اتنا کہنا ہے کہ یہ بار بار کیوں پھٹتی ہے اور ہمیں بار بار اس پر پیوند کیوں لگانے پڑتے ہیں۔" رام دیال نے ہنس کر کہا۔

"یہ میرا کام ہے آج پیوند لگتے ہیں —— لیکن کبھی یہ نئی تھی ——"

"میں جانتا ہوں ——"

"اور اب تو پڑھ لکھ گیا ہے۔ تیرے داڑھی مونچھ نکل آئی ہے۔ اب تجھے اچھی سی نوکری مل جائے گی اور گھر کا نقشہ ہی بدل جائے گا۔ یہ نئی قمیض ہو جائے گی۔ جوتا بھی مل جائے گا۔ بستر بھی بدل جائے گا۔ تیرے امتحان کا نتیجہ نکلنے کی دیر ہے —— اور اب دن ہی کتنے رہ جائیں۔ تیرا باپ تو صرف چار جماعت پڑھا ہے اور اٹھارہ روپے کما رہا ہے اور تو دس جماعت پڑھ گیا ہے۔"

"ابھی کہاں ماں! نتیجہ نکلنے دو ——"

میں جانتی ہوں تو پاس ہو جائے گا تو نے بڑی محنت کی ہے۔ ایک روز تو ماں باپ کا نام روشن کرے گا۔ تو ہر جماعت میں اول آیا ہے۔ تو نے وظیفہ لیا ہے اور اب بھی وظیفہ ضرور لے گا ——"

"کیا فائدہ ہے اس سے اگر وظیفہ مل گیا۔ کالج کی فیس معاف ہو گی تب بھی کالج کی پڑھائی نہیں ہو سکتی۔ کالج کی پڑھائی بڑی مہنگی ہے ماں! گھر میں صرف ایک آدمی کمانے والا ہے اور آٹھ آدمی کھانے والے ہیں۔"

"ہاں بیٹا! تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں تو چاہتی ہوں کہ ابھی تو آگے پڑھے —— لیکن تیرے پتاجی نہیں مانتے ——" ماں نے کہا۔

"میں جانتا ہوں! مجھ سے گھر کی حالت چھپی نہیں ہے اور میں اس بوجھ کو بھی سمجھتا ہوں جو میرے کمزور کندھوں پر پڑا ہے۔ میں ذمہ داری کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا میں تمہارے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا۔ یہی میرا خیال ہے پتا جی ٹھیک کہتے ہیں۔" رام دیال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن میری خواہش یہی ہے کہ تم پڑھو۔"

"ماں دو سال اگر اور پڑھ لیا تو ـــــ جاؤں گا۔ اور میرا خیال ہے اُس وقت تم بھی چاہو گی کہ بہن شیلا کے ہاتھ پیلے کر دو۔ اگر دو سال نہیں تو چار سال بعد تو ضرور چاہو گی آخر سیانی لڑکی کو گھر میں کون رکھنا چاہتا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر چار سال تک میں تعلیم حاصل کرتا رہوں کہاں تک جائز ہے ـــــ چار سال ـــــ ماں چار سال تو طویل عرصہ ہوتا ہے۔ اگر پندرہ روپے ماہوار پر بھی ملازم ہو گیا تو میں گھر کی پریشانیوں میں ہاتھ بٹاؤں گا اور شیلا کی شادی کا بوجھ ہلکا کر سکوں گا ـــــ"

"بیٹا تم نے ٹھیک سوچا ہے لیکن تعلیم حاصل کرنا بھی بُرا نہیں خصوصاً جب تم تعلیم میں اتنے ہوشیار رہے ہو ـــــ" ماں نے کہا۔

"وہ تو درست ہے ماں! ہوشیار اور اعلیٰ دماغی سے حالات نہیں بدل جاتے میرے ساتھ ضلع سپرنٹنڈنٹ پولیس کا لڑکا بھی پڑھتا ہے میں جانتا ہوں اس کی کیا قابلیت ہے۔ ہر روز ماسٹروں سے مار پڑتی ہے لیکن امتحان سے چند ماہ پہلے اس نے ٹیوشن رکھ لی تھی۔ ٹیوشن رکھنے سے مار پیٹ بند ہو گئی ہے، ماں وہ لڑکا تھرڈ ڈویژن میں کم سے کم نمبروں سے پاس ہو جائے گا۔ یہی حالت اس کی ایف اے اور بی اے میں ہو گی۔ لیکن جب وہ بی۔ اے ہو جائے گا تو اُسے اچھی ملازمت کیلئے ایک روز بھی نہ رکنا پڑے گا ـــــ" رام دیال نے عام لہجے میں کہا۔

"یہ ٹھیک ہے بیٹا! مقدر ہر انسان کا الگ الگ ہے ـــــ" ماں نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ "جو کچھ اپنے مقدر میں ہو گا وہ ہمیں مل جائے گا۔"

"ہاں ماں! اس مقدر کی آڑ ہی تو ہمیں زیست کی تلخیاں جھیلنے پر مجبور کرتی ہے ـــــ"

"ارے میں تو بھول ہی گئی" ماں نے چونک کر کہا۔ "میں تمھیں جگانے آئی تھی اور یہاں باتوں میں سب کچھ بھول گئی۔ چل اُٹھ نہا دھو کر تیار ہو جا۔"

"کیوں؟" رام دیال نے کہا۔ اس نے وہ لپٹا ہوا بستر اُٹھایا اور اندر لے گیا۔

پندرہ منٹ بعد جب رام دیال اس کمرے میں پہونچا جسے باورچی خانہ کہنا لفظ باورچی خانے کی توہین تھی۔ تو اس کے چھوٹے بھائی بہن باسی روٹی کے ٹکڑوں کیلئے لڑ رہے تھے۔

رام دیال دروازے میں رک کر ان کا تماشہ دیکھنے لگا۔ اب وہ خود سولہ برس کا ہو گیا تھا لیکن برس پیشتر وہ خود بھی اسی طرح جھگڑتا تھا باسی روٹی کے ایک ٹکڑے کے لئے۔

ایک نے زیادہ لے لیا تھا دوسرا رو رہا تھا اور ماں سے شکایت کر رہا تھا۔ یہ چھینا جھپٹی جاری تھی۔ صدیوں سے جاری تھی۔ باسی روٹی کے ٹکڑوں کے لئے۔ ___ دولت کیلئے ___ حصول اقتدار کیلئے ___ اور جھوٹی شان و شوکت کے لئے ___ بس معیار الگ الگ تھا۔

بھولو تین برس کا تھا اسی کا حصہ بجرنگ نے چھین لیا تھا۔ بھولو رو رہا تھا اور چھیننے کی کوشش کئے جا رہا تھا۔

رام ننگے جسم، پاؤں بے تحاشہ بڑھے ہوئے کیونکہ ان پاؤں کو جوتا میسر نہ تھا جسم کو باس میسر نہ تھا۔ پیٹ جسے بھوک میسر تھی لیکن روٹی میسر نہ تھی۔

رام دیال مسکرا کر آگے بڑھا اور ماں سے مخاطب ہوا۔

"ماں میری روٹی کہاں ہے ___؟"

"ماں نے چھپائی ہوئی ___ آدھی روٹی کو نکالا "یہ رہی"۔ تمام نگاہیں اُسی آدھی روٹی پر اُٹھ گئیں۔

"کیوں بے بھولو۔ تو کیوں رو رہا ہے ___؟"

"بجرنگ نے میری روٹی چھین لی ___" بھولو نے توتلی زبان میں کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ یہ بجرنگ اول درجہ کا بدمعاش ہے۔ پڑھتا لکھتا ہے نہیں،

سارا دن گلیوں میں آوارہ پھرتا ہے اور گھر میں دنگا فساد کرتا ہے۔ تو رو نہیں ـــــ یہ میری روٹی لے لے ـــــ"

بھولو کو روٹی ملی تو رونا بھول گیا۔ بجرنگ نے للچائی نظروں سے روٹی کو دیکھا پھر بڑے بھائی پر قہر آلود نگاہ ڈالی۔

"کیوں بے گھورتا کیوں ہے ـــــ" رام دیال نے ہنس کر بجرنگ سے کہا۔ "؟"

بجرنگ نے ـــــ منہ بنایا اور کمرے سے نکل گیا۔

"یہ تو نے کیا کیا بیٹا! اب تو کیا کھائے گا ـــــ ؟" ماں نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں ماں! دو گھنٹے میں کھانا تیار ہو جائے گا میں وہی کھاؤں گا ـــــ اور یہ بھولو بھوکا رہ گیا تھا۔" رام دیال نے بھولو کے سر پر پیار کا ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

ایک ایک کر کے بچے جا چکے تھے۔

"اچھا اب تم یہ لے لو۔" ماں نے چھپائی روٹی نکالی۔

"نہیں ماں۔"

"کیوں نہیں ـــــ ؟"

"میں جانتا ہوں یہ تمھارا حصہ ہے۔"

"نہیں تم کھا لو اب۔"

"ایک ہی بات ہے ماں! یوں بھی مجھے کوئی خاص بھوک نہیں ہے۔ تھوڑی دیر میں تم روٹی بناؤ گی تو میں کھا لوں گا ـــــ"

اتنے میں باپ اندر آ گیا۔

"دیال کی ماں ـــــ"

"ہاں ـــــ !"

"مجھے کچھ کھانے کو دو ـــــ" باپ نے کہا۔

"یہ لیجئے پتا جی ـــــ" کہہ کر رام دیال نے وہ روٹی کا ٹکڑا ماں سے لے کر باپ کی طرف بڑھا دیا۔

ماں بیٹے کو دیکھتی رہ گئی۔

"دیالے!" باپ نے مونہہ میں لقمہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"جی پتاجی"

"تمھارا نتیجہ کب نکل رہا ہے ۔ ؟"

"بس آج کل میں نکلنا ہی چاہتا ہے"

"تم نے نوکری کی کوشش نہیں کی ۔۔ ؟"

"میں کہتی ہوں یہ آگے کیوں نہ پڑھ لے" ماں بولی۔

"کیا کرے گا پڑھ کر ۔۔" باپ نے بھاری آواز میں کہا۔

"کرے گا کیا ۔۔ افسر بنے گا بیٹا"

"تمھارا تو دماغ چل گیا ہے دیال کی ماں! جنگ شروع ہوئے دو برس ہو گئے ہیں۔ ابھی تک تو گیہوں پونے تین روپے من تھی ۔۔ لیکن اب یہ گندم دس روپے من ہو جائے گا ۔۔ بس بہت ہے۔ اب اس سے آگے مجھ میں ہمت نہیں ہے ۔" باپ نے کہا۔

"ہمت کیوں نہیں ہے۔ آپ کا خرچ ہی کیا اٹھتا ہے۔ لڑکا وظیفہ لے رہا ہے فیس معاف ہی ہے۔ اگر سال میں پانچ سات روپے کی کتابیں خرید لیں تو کیا بوجھ بن گیا ہے" ماں نے جواز پیش کیا۔

"تمھارا تو دماغ چل گیا ہے۔ ایک اس کے ہی اخراجات نہیں۔ پورا گھر ہے۔ چھ بچے ۔۔ میں اور تم ۔۔ باقی تو وظیفہ نہیں لے رہے ہیں۔ دس جماعت بہت ہوتی ہے ۔۔ بس اب یہ نوکری کرے اور میرا ہاتھ بٹائے لڑکیاں سیانی ہوتی جا رہی ہیں ان کی شادی بیاہ کی بھی فکر ہے" باپ نے لاپرواہی سے کہا۔

"نہیں جی۔ اس بار بھی وظیفہ مل جائے گا" ماں نے کہا۔

"وظیفے کی رقم سے گھر کا خرچ پورا نہیں ہو سکتا" باپ نے جواب دیا۔ "اب وقت آگیا ہے کہ یہ میرا ہاتھ بٹائے اور جو روکھی سوکھی ملے اسی میں گذارہ کرے ۔۔ اگر قسمت میں افسر بنا لکھا ہے تو چند سال کی نوکری کے بعد خود ہی افسر بن جائے گا۔ دیال کی ماں تو ان پڑھ ہے تو نہیں جانتی کہ میٹرک پاس بھی افسر ہوتے ہیں ۔۔ دس جماعت بہت ہوتی ہے ۔۔ اب یہ سولہ برس کا ہے دو تین برس میں بیس پچیس روپے ماہوار کمانے

لگے گا۔ ہم اس کی شادی کر دیں گے اور جو جہیز ملے گا وہ شیلا کی شادی میں دیدیں گے۔"

ماں کچھ کہنے لگی تھی کہ دیال بول پڑا۔

"ماں! میرا خیال ہے پتا جی ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے۔ کہ میں اس بوجھ میں ہاتھ بٹاؤں ــــ"

"بالکل ٹھیک ــ" باپ نے کہا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔

"بیٹا تو پھر سوچ لو ــــ"

"ماں! پتا جی ٹھیک کہتے ہیں۔ اور جب مجھے کرنے کے لئے چھوٹی موٹی ملازمت ہی کرنی ہے تو پھر چار سال ضائع کرنے سے کیا حاصل اگر میں پندرہ روپے ماہوار پر بھی ملازم ہو گیا تو ایک سال میں ایک سو اسی روپے کر لوں گا اور چار سال میں سات سو بیس روپئے ــــ اور اگر پڑھائی کی تو سو سوا سو روپئے پلے سے خرچنا پڑے گا ــــ" رام دیال نے دلیل پیش کی۔

"خیر ــ" ماں نے ٹھنڈا سانس لیا۔ "فلاں کا لڑکا بی۔ اے ہے۔ سرکاری ملازم ہے اور تیس روپئے ماہوار کما تا ہے ــــ"

"ٹھیک ہے ماں! لیکن درجنوں بی۔ اے پاس لڑکے ہیں جو بیکار پھر رہے ہیں۔"

"تمہارا باپ ٹھیک کہتا ہے ــــ" ماں نے کہا: "میں ان پڑھ عورت ہوں تم جانو اور تمہارا باپ جانے ــــ"

"ماں دل چھوٹا نہ کرو! سب ٹھیک ہو جائے گا ــــ سب ــ" رام دیال نے ہنس کر کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

میٹرک کا نتیجہ نکل آیا۔

رام دیال متوقع صورت میں اچھے نمبروں سے پاس ہی نہ ہوا بلکہ اس کا نام ان چالیس لڑکوں میں سے ایک تھا جنھیں وظیفہ ملا تھا۔

وہ صبح و شام ملازمت کی تلاش میں تھا۔ دکانیں، چھوٹی چھوٹی فرمیں اس نے ہر جگہ سر مارا۔ لیکن بے سود۔

وہ صرف میٹرک تھا۔ اگر تھوڑی بہت ٹائپ جانتا ہوتا تو شاید اُسے ملازمت مل جاتی۔

بوسیدہ پائجامہ، سادہ قمیص اور پاؤں میں کینوس کے جوتے۔ اکہرا جسم۔ ——اور چہرہ بھدا، ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز۔ اس Personality پر اسے ملازمت کہاں مل سکتی تھی۔

دن بھر خراب ہونے کے بعد جب وہ شام کو تھکا ہارا، مایوس ہو کر گھر پہنچا تو باپ کا سامنا نہ کر سکا۔

باپ ہر روز اس سے یہی سوال پوچھتا۔

"ملازمت ملی —— ؟"

رام دیال کو جواب دینے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ اس کا چہرہ جواب بتا رہا تھا۔ لیکن اسے زبان سے تسلیم کرنا پڑتا کہ ملازمت نہیں ملی۔ کچھ دیر وہ گھر میں رہتا۔ کھانا کھا کر سرکاری لائبریری اور ریڈنگ روم میں چلا جاتا۔

وہاں بیٹھ کر وہ انگریزی اخباروں کا مطالعہ کرتا۔ جن میں ملازمت کے متعلق اشتہار چھپتے تھے۔ جس ملازمت کیلئے وہ خود کو قابل سمجھتا اس کا پتہ نوٹ کر لیتا اور اگلے روز وہاں جا پہنچتا۔

ایک کے بعد دوسرا دفتر۔

ایک دن کے بعد دوسرا دن۔

ایک ہفتہ کے بعد دوسرا ہفتہ ـــــ

لیکن ملازمت کہاں تھی۔ بے روزگاری کے اس زمانے میں جب گریجویٹ پندرہ روپئے ماہوار پر کام کرنے کو تیار تھے اس صورت میں رام دیال کو ملازمت کہاں مل سکتی تھی۔

گھر کا نقشہ جان لیوا بنا ہوا تھا۔ بڑی بہن شیلا والدین کیلئے مستقل پریشانی بن گئی۔ اس کے بیاہ کی فکر ـــــ انھیں کھائے جا رہی تھی۔ برادری کا جو لڑکا انھوں نے دیکھا تھا اس نے تین سو روپئے نقد مانگا تھا اور باقی جہیز۔

ایک شام وہ گھر دیر سے پہونچا۔ پچھلے دو ہفتے سے اس نے دیر سے گھر پہنچنا شروع کر دیا تھا تاکہ وہ سوالات کی بوچھار سے بچ سکے وہ ہر روز یہ جواب دیتا دیتا تنگ آ چکا تھا کہ آج بھی ملازمت نہیں ملی۔

باپ گھر میں نہیں تھا۔ بچے سو گئے تھے۔ شیلا اور ماں بیدار تھیں مٹی کے تیل کا دیا جس پر چمنی نہیں تھی ایک کمرے میں کسی مریض کی طرح سسک رہا تھا۔ وہ دروازے سے اندر داخل ہوا تو ہوا کے جھونکے نے لو کو لہرا دیا جیسے اس نے رام دیال کو خوش آمدید کہا ہو۔

"آ گئے بیٹا ـــــ" ماں کی آواز آئی۔

"ہاں ماں!" رام دیال نے تھکی آواز میں کہا۔

"کہاں گھومتے رہے دن بھر ـــــ؟"

"گھومنا کہاں ہے ماں! ملازمت کی تلاش میں سرگرداں رہا ہوں۔"

"بیٹا دو مہینے ہونے کو آئے ہیں لیکن ......"

"ملازمت نہیں مل سکی ـــــ" رام دیال نے کھ کر کر سوکھی ـــــ بند کی

"ماں کچھ سمجھ میں نہیں آتا ـــــ کہ کیوں نہیں ملتی ـــــ جہاں بھی جگہ خالی ہوتی ہے اخبار میں اشتہار پڑھ کر میں چلا جاتا ہوں۔ وہ لوگ میرے انٹرنس کا پاس سرٹیفکیٹ دیکھتے ہیں۔ میرے نمبر دیکھتے ہیں۔ میں انھیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ میرا نام وظیفہ پانے والوں میں شامل ہے لیکن گھریلو حالات ایسے ہیں کہ میں تعلیم جاری نہیں رکھ سکتا ـــــ پھر وہ میرا سرتاپا جائزہ لیتے ہیں ـــــ میری قمیض جو بے حد

معمولی اور بوسیدہ ہے پائجامہ جو گھر کا دھلا ہی نہیں۔ بلکہ دھاری دار ہے۔ میرے پاؤں میں پڑے ہوئے کینوس کے جوتے ـــــ جن کے تلے میں سوراخ ہو چکے ہیں دیکھکر کہہ دیتے ہیں کہ جواب بذریعہ ڈاک دے دیں گے۔ لیکن آج تک جواب ہی نہیں آیا ہے۔ میں ایک دفتر میں ڈیڑھ ماہ ـــــ گیا تھا چند روز بعد میں یہ معلوم کرنے گیا کہ انھوں نے کسی کو ملازم رکھ لیا ہے یا نہیں۔ تو پتہ چلا کہ رکھ لیا ہے۔ اور جس لڑکے کو ملازم رکھا ہے وہ تھرڈ ڈویژن میٹرک پاس ہے۔ لیکن ـــــ لیکن اس کے پاس پتلون اور چمڑے کا جوتا ہے ماں۔"

"اوہ ـــــ" شیلا نے گہرا سانس لیا۔" دیال تم بھی ایک پتلون سلوا لو اور چمڑے کے جوتے لے لو۔"

بیٹے نے ماں کو اور ماں نے بیٹے کو دیکھا۔

"ماں میں سوچ رہا تھا کہ سرکاری دفتروں اور فرموں میں آنا جانا بند کردوں کوئی چھوٹا موٹا کام شروع کردوں ـــــ"

"کیا مطلب ـــــ؟" ماں نے پوچھا۔

"چھوٹا موٹا کام لگا لوں ـــــ"

"اتنا پڑھ لکھ کر ـــــ؟" ماں نے پوچھا۔

"لیکن ماں، ہو ہی کیا سکتا ہے اس کے علاوہ ـــــ میں سوچتا ہوں پتاجی ٹھیک کہتے تھے۔ میں نے خواہ مخواہ اتنے برس ضائع کئے ہیں۔"

"تو تو پاگل ہو گیا ہے بیٹے میں نے زندگی گذاردی ہے ـــــ چھ بچوں کو جنم دیا ہے اپنی کوکھ سے ـــــ بھوکے پیاسے رہ کر تم سب کو پالا ہے۔ روکھی سوکھی چوٹی کھائی ہے۔ لیکن ہمت نہیں ہاری بھوک، ننگ افلاس ہر چیز حصے میں آئی ہے اور تھیں ابھی زندگی شروع کرنی ہے۔ تم ابھی سے کیوں گھبرا گئے ہو۔ ابھی سے ہی تم نے ہمت ہار دی تو کام کیسے چلے گا۔"

"ماں تم باتیں ہی کرتی رہو گی۔ دیال کو کھانا بھی دو گی ـــــ" شیلا نے کہا ـــــ

"اوہ میں بھی کیا عورت ہوں! باتوں میں ایسی کھو جاتی ہوں کہ سب

کچھ بھول جاتی ہوں ——" ماں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔" چلو ہاتھ دھو لو میں تمہارا کھانا لگاتی ہوں۔" کہہ کر ماں چل دی۔

رام دیال ہاتھ دھونے چلا گیا۔

"شیلا ——" ماں کی گونجتی ہوئی آواز باورچی خانے سے آئی۔

"کیا ہے ماں ——"

"کون کھا گیا ہے —— ؟" ماں کی آواز آئی۔

"مجھے نہیں معلوم —— یہی کہیں رکھی ہوگی دیکھ لو۔"

"مجھے نہیں ملتی۔ تم آکر ڈھونڈ دو ——"

شیلا اٹھ کر باورچی خانہ میں چلی گئی۔ ماں بیٹی دال تلاش کر رہے تھے جو مل نہ رہی تھی۔

رام دیال بھی ہاتھ پاؤں دھو کر باورچی خانہ میں پہنچ گیا۔

"ماں بیٹی کیا ڈھونڈ رہی ہیں —— ؟" رام دیال نے مسکرا کر پوچھا۔

"بیٹا دال کی کٹوری رکھی تھی یہاں نہ معلوم کہاں چلی گئی۔"

"چلی گئی تو جانے دو ——" رام دیال نے ہنس کر کہا۔" کوئی بات نہیں ماں۔ آخر دال کی کٹوری ہی تھی ——"

"وہ —— ماں ——" شیلا نے کہا۔

"کیا —— ؟" ماں نے کہا۔

"یقینی بات ہے۔ بھولو کھا گیا ہوگا —— شیلا نے کہا۔

"بھولو —— تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں ابھی جا کر اس کی خبر لیتی ہوں۔ —— موا کوئی چیز نہیں چھوڑتا ——" کہہ کر ماں دروازے کی طرف بڑھی۔

رام دیال نے اس کا راستہ روک لیا۔ ہٹاؤ ماں اب بے چارہ سو رہا ہوگا۔ اب آدھی رات کو تم اس غریب کی مرمت کرو گی تو وہ تمام محلے کو سر پہ اٹھا لیگا۔"

"نہیں بیٹا! میں اس کی شرارتوں سے تنگ آگئی ہوں ——" دس روز میں تین بار دال پکتی ہے اور اسے وہ کمینہ چوری سے کھا گیا۔

"اور مجھے اس کی شرارتیں بے حد پسند ہیں ——" رام دیال نے ہنس کر

کہا: "ماں تم مجھے تھوڑا سا اچار دے دو۔"

"اچار ۔۔۔؟" شیلا کے لہجے میں تعجب تھا۔

"کیوں ۔۔۔" رام دیال نے شیلا کو دیکھا: اس کا مطلب ہے گھر میں اچار بھی نہیں۔ چلو ہٹاؤ ایک پیاز دے دو میں اسی کے ساتھ روٹی کھا لوں گا۔"

"پیاز ۔۔۔" اس بار ماں کے لہجے میں تعجب تھا۔

"سوچنے کیوں لگیں تم دونوں ۔۔۔" رام دیال ہنس پڑا۔ اس میں سوچنے کی کیا بات ہے! نمک تو گھر میں ہوگا ہی، لاؤ نمک دے دو۔ میں روٹی کھا لوں گا۔ پھر کوئی نئی بات تو نہیں ہے ۔۔۔" لاؤ میں خود ہی نکال لیتا ہوں۔"

رام دیال نمک کے ساتھ روٹی کھانے لگا۔ کہ اتنے میں باپ آ گیا۔

"کیا بنا بیٹا ۔۔۔؟" باپ نے آ کر سوال کیا۔

"ابھی تو بات نہیں بنی ۔۔۔" رام دیال نے آہستہ سے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ اس بے روزگاری کے زمانے میں ملازمت ملنا آسان نہیں۔ اور ابھی تمھاری ماں ۔۔۔ کہ تم تعلیم جاری رکھو۔ اگر تم نے یہ دس برس ضائع نہ کئے ہوتے تو آج بارہ آنے روز کما لیتے ۔۔۔" باپ نے کہا۔

"نہ معلوم آپ تعلیم کے لفظ سے چڑتے کیوں ہیں ۔۔۔" ماں نے احتجاج بلند کرنا چاہا۔

"اری پگلی تو کیا جانتی ہے۔ یہ دس جماعت پڑھ گیا ہے۔ صرف بابو بن سکتا ہے۔ یہ کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتا۔ اور بابو کیونکر بن سکتا ہے۔ جب کہ چودہ چودہ جماعت پڑھے لوگ جوتیاں گھساتے پھر رہے ہیں۔" باپ نے کہا۔

"پتاجی ایسی بات نہیں۔ میں آپ کے آنے سے پہلے یہی بات کہہ رہا تھا کہ کیوں نہ چھابڑی لگا لوں ۔۔۔" رام دیال نے کہا۔

"اب!" باپ نے غرا کر کہا۔ "اتنے برس ضائع کرنے کے بعد۔"

"آپ ہر وقت ۔۔۔ کیوں کہتے ہیں کہ برس ضائع کر دیئے لیکن آپ دیکھ لیجئے گا کہ کسی روز میرا بیٹا بابو بنے گا۔" ماں نے کہا۔

"مزدور بنے گا ۔۔۔ تیرا دماغ چل گیا ہے۔ بابو بننا آسان نہیں ۔۔۔ تو

گھر میں بیٹھی کیا سمجھ سکتی ہے کہ باہر قدم قدم پر کتنی مشکلات پڑتی ہیں ۔" باپ نے غرا کر کہا۔
"تم اور تمھارا بیٹا بابو بنے گا۔ اور اپنی بیٹی کے متعلق کیا سوچا ہے تو نے ؟"
شیلا نے نگاہیں اُٹھا کر سب کو دیکھا اور جھکا لیں۔
"یہ سب بچوں کی بات ہے جب بات بننا ہوگی۔ دیر نہ لگے گی۔" ماں نے امید افزا لہجے میں کہا۔
"سنجوگ کیسے کہتی ہو دیال کی ماں! لڑکے والے تین سو نقد مانگتے ہیں۔ — آج کے زمانے میں تین سو روپے معمولی بات نہیں — اتنی بڑی رقم میری تنخواہ سے کہاں آسکے گی —" باپ نے پوچھا۔
"پتا جی! ہم قرض اٹھا لیں گے اور میں ایک ایک پائی ادا کر دوں گا۔"
رام دیال بولا:
"ادا تو کر دے گا۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ ملازمت کیسے ملے گی دو ماہ سے زائد ہونے کو آئے ہیں ابھی تک تو ملی نہیں۔ ابھی نہ معلوم کتنے برس اور لگیں گے —" باپ نے کہا۔
"پتا جی!" شیلا بولی " دیال جہاں جاتا ہے اُسے اس لئے وہاں نوکری نہیں ملتی کیوں کہ اُس کے پاس پتلون اور جوتے نہیں ہیں۔"
"کیا بات ہے —" باپ نے اونچے لہجے میں کہا "اب تم چاہتی ہو کہ میں اسے پتلون سلوا کر دوں، چمڑے کے بوٹ لا کر دوں — کیوں نہیں! اب یہ دس جماعت جو پڑھ گیا ہے۔ میں سات آنے کی کینوس کی چپل لیتا ہوں اور پورے آٹھ ماہ گزارتا ہوں — اب اس کیلئے ڈیڑھ پونے دو روپے کا چمڑے کا بوٹ لاؤں تب اسے نوکری ملے گی —"
ماں، دیال اور شیلا کے پاس الفاظ نہ تھے۔ دیال نے اسی میں بہتری پائی کہ وہ وہاں سے اُٹھ جائے۔ بات ختم نہ ہوگی بلکہ بڑھ جائے گی۔ اس نے اپنا بستر اٹھایا اور باہر چلا گیا جہاں چارپائی پڑی تھی۔
ساتھ کی چارپائیوں پر اس کے بہن بھائی سو رہے تھے۔ ایک چارپائی پر دو بچے تھے اور ایک پر ایک، جس پر ماں کو سونا تھا۔

بھولو بچپن کی نیند سو رہا تھا۔ رام دیال نے اُسے دیکھا اور کچھ دیر دیکھتا رہا —— پھر وہ مسکرا دیا۔ شاید اس لیے کہ بھولو اس کے حصے کی دال کھا گیا تھا اور اسے نمک کے ساتھ روٹی کھانا پڑی تھی۔

دو منٹ بعد شیلا بھی آ گئی اور وہ اس چارپائی پر لیٹ گئی جہاں چھوٹی بہن سو رہی تھی۔

گھر میں اتنی چارپائیاں نہ تھیں، جہاں پر ہر شخص تنہا سوتا۔

دن گزرتے رہے۔

ایک روز رام دیال دوپہر کو ہی گھر پہنچ گیا۔ شیلا گھر میں تھی۔

"کیا بات ہے دیال آج جلدی گھر لوٹ آئے ہو —— ؟" شیلا نے پوچھا۔

"ماں کہاں ہے ؟"

"پڑوس کے گھر میں گئی ہے۔ کیا بلا لاؤں ؟"

"ہاں ——"

"کیا مجھے نہیں بتاؤ گے۔ تم اتنے خوش کیوں ہو —— ؟" شیلا نے پوچھا۔

"پہلے ماں کو بلا لاؤ —— پھر بتاؤں گا"

"کیا نوکری مل گئی ہے —— ؟"

"میں نے کہا ہے کہ پہلے ماں کو بلا لاؤ ——"

"میں سمجھ گئی نوکری مل گئی ہے ——" شیلا نے مسرور لہجے میں کہا۔ "میں ابھی لاتی ہوں ماں کو ——" کہہ کر وہ ناچتی ہوئی چلی گئی۔

شیلا پڑوس کے گھر پہنچی۔ اور اکھڑے سانس سے بولی۔

"ماں —— ماں! جلدی آؤ گھر ——"

"کیا —— ؟"

"بس آجاؤ ــــ" شیلا نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر کہا۔
"کیا بات ہے شیلا بڑی خوش نظر آتی ہے۔" پڑوسن نے کہا۔
"ہاں خوشی بات ہی ایسی ہے۔" شیلا نے کہا۔
"کیا بات ہے میں بھی تو سنوں ــــ" پڑوسن نے کہا۔
"دیال کو نوکری مل گئی ہے۔"
"نوکری مل گئی ہے ــــ" ماں اور پڑوسن نے بیک وقت کہا۔
"ہاں ــــ"
"دیال کی ماں ودھائی ہو ــــ" پڑوسن بولی۔
"تمھیں بھی ــــ" دیال کی ماں نے کہا۔ "اچھا بہن میں چلتی ہوں۔"
"لیکن ہماری مٹھائی نہ بھول جانا۔" پڑوسن نے کہا۔
"کیسے بھول سکتی ہوں۔ یہ دن تو برسوں کے بعد دیکھنا نصیب ہوا ہے، تم سے مٹھائی اچھی ہے ــــ" ماں نے کہا۔
"ماں چلو بھی! یا باتیں ہی بناتی رہو گی ــــ" شیلا نے ماں کو بازو سے کھینچتے ہوئے کہا۔
"چلو چلو ــــ" ماں نے کہا۔
ماں اور بیٹی تیز تیز قدم اُٹھاتی ہوئی گھر پہنچیں۔
ماں ــــ" رام دیال نے جوش میں کہا اور ماں سے لپٹ گیا۔
"جیتے رہو بیٹا! کیا خبر لائے ہو ــــ کیا تمھیں نوکری مل گئی ہے؟" ماں نے مسرت سے کانپتی آواز میں کہا۔
"ماں نوکری مل تو گئی ہے لیکن . . . . ."
"لیکن کیا ــــ" شیلا بولی۔
"لیکن ــــ" ماں چونک پڑی۔
"منیجر جو ہے نا وہ پچیس روپے رشوت مانگتا ہے ــــ" رام دیال نے انکشاف کیا۔
"پچیس روپے رشوت مانگتا ہے ــــ" ماں نے کہا اور اس کا موہنہ لٹک گیا۔

"تنخواہ کیا ہوگی ۔۔ ؟" شیلا نے پوچھا۔

"پندرہ روپے ماہوار۔"

"پندرہ روپے ماہوار ۔۔" شیلا نے کہا۔ "پھر کیا ہرج ہے دو پچیس روپے رشوت۔ ہم سمجھ لیں گے دو مہینے تنخواہ نہیں ملی۔"

"بات تو ٹھیک ہے لیکن....." ماں نے کمزور لہجے میں کہا۔

"لیکن کیا ماں ۔۔" شیلا بولی۔ "رام دیال کو بے کار پھرتے ہوئے اتنے مہینے ہو گئے ہیں۔ دو مہینے کی اور بات ہے پھر ہر ماہ پندرہ روپے آیا کریں پندرہ روپے۔"

"لیکن میں سوچ رہی ہوں پچیس روپے کہاں سے آئیں گے ۔۔" ماں نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"یہی فکر مجھے ستائے جا رہی ہے ۔۔" رام دیال نے کہا۔

"ماں اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ بنیئے سے ہم قرض لے لیں گے۔" شیلا بولی۔

"اگر تمھارے پتا جی کو معلوم ہو گیا پھر کیا ہوگا ۔۔ ؟" ماں نے سہمی آواز میں کہا۔

"لیکن ہم کیا کہیں گے ۔۔ ماں ۔۔ ؟" شیلا نے کہا۔ "پھر دو ماہ کی بات ہے ہم سود کے ساتھ اصل بھی واپس کر دیں گے ۔۔"

"لیکن....."

"لیکن لیکن ۔۔" شیلا چلائی۔ "ماں تم ناحق پریشان ہوتی رہتی ہو۔ آخر اتنا پریشان ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

ماں، بیٹے اور بیٹی تینوں نے یہی فیصلہ کیا کہ بنیئے سے پچیس روپے قرض لے لیا جائے۔"

شام کو باپ گھر آیا تو اُسے صرف اتنا بتایا گیا کہ رام دیال کو ملازمت مل گئی۔ انھیں یہ نہ بتایا گیا کہ وہاں پچیس روپے رشوت بھی دینا ہے۔

"کیا نوکری مل گئی ہے تمھیں ۔۔ ؟" باپ نے پوچھا۔

"ایک رسالے کی ——" رام دیال نے کہا۔

"رسالہ —— کیا فوج کا رسالہ ——؟" باپ نے پوچھا۔

"جی نہیں! اخبار ——"

"ہوں ——" باپ نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ اس نے کوئی مسرت نہ ظاہر کی۔ حالانکہ وہ پچھلے کئی ماہ سے ہر شام پہلا سوال یہی کرتا تھا نوکری مل گئی یا نہیں۔

اگلے روز رام دیال صبح ہی صبح تیار ہو گیا۔ ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے وہ رسالہ کے دفتر میں پہونچ گیا۔

منیجر نے اسے خطوط کا جواب دینا سکھایا۔ اور وی پی کے فارم پر کرنا سکھائے۔ وہ تمام دن کام کرتا رہا۔ صبح شیلا نے خاص طور پر اسی لئے سرسوں کے تیل کے پراٹھے بنائے تھے اور ساتھ ہی اچار رکھ دیا تھا کہ وہ دن میں کھائے۔

وہ زندگی میں پہلی بار کام کر رہا تھا۔ اور کام کرتے وقت فخر محسوس کر رہا تھا۔

شام کے چھ بجے تک وہ کام کرتا رہا۔ پھر منیجر سے معلوم کر کے گھر چلا گیا۔

گھر جا کر اس نے تمام دن کی کارروائی بڑے فخر سے ماں اور شیلا کو سنائی۔

ایک ہفتہ یہ کام جاری رہا۔

دفتر جس کے کام کے اوقات معین نہ تھے۔ صبح ساڑھے آٹھ بجے وہ کام پر آتا اور اب ساڑھے چھ، سات اور آٹھ بجے تک کام کرتا رہتا۔

اگرچہ اسے خط وکتابت اور دفتر کے کام —— تھا لیکن جب رسالہ تیار ہوا تو منیجر نے اسے ڈاک خانہ بھیج دیا۔ جب کوئی ادیب یا شاعر آجاتا تو منیجر اس سے چپراسی کا کام لینے سے بھی دریغ نہ کرتا۔ وہ اسے چائے شربت لانے کیلئے حکم دیتا۔ اسے سگرٹ لانا پڑتے۔

وہ ہمہ تن گوش ہو کر ان شاعروں اور ادبا کی باتیں سنتا۔ رسالے کا مالک جو

ایڈیٹر بھی تھا اس کی غیر موجودگی میں منیجر کو ایڈیٹر کے فرائض بھی انجام دینا پڑتے تھے۔ وہ ادبار کی خاطر تواضع کرتا۔

رام دیال کے لئے یہ بہت بڑی بات تھی۔ یہ لوگ بڑے بڑے نام رکھتے تھے۔ ان کی تحریریں اخباروں اور رسالوں میں چھپتی تھیں۔ وہ خالی اوقات میں رسالے کی پرانی فائل پڑھتا رہتا تھا۔ ——— ادیب غریب' افلاس اور لوگوں کی مجبوریوں کی باتیں لکھتے تھے۔ وہ انھیں پڑھ کر بے حد مرعوب ہوتا تھا۔ اس نے اسکول کی نصاب کی کتب میں نظمیں اور غزلیں پڑھی تھیں۔ اب وہ ان لوگوں کو قریب سے دیکھتا تھا۔ ان کی باتیں سنتا تھا اور ان کیلئے چائے پانی ——— لانے میں فخر محسوس کرتا تھا۔ ان کے جھوٹے برتن اٹھانے میں اسے مسرت حاصل ہوتی تھی۔

اس پر منیجر نے اسے اپنے گھر کا کام بھی دینا شروع کر دیا۔ ہر شام اُسے سبزی خرید کر منیجر کے گھر پہونچانا پڑتی۔ اس لئے رام دیال متعدد دکانوں کی خاک چھانتا اور رعایت سے خریدتا۔ جس بھاؤ پر منیجر خود نہ خرید سکتا تھا۔

منیجر نے جب یہ دیکھا کہ رام دیال اول درجے کا احمق ہے۔ وہ اپنے لئے پیسے نہیں چراتا تو اُس نے گھر کا ہر سامان خریدنے کیلئے اس کی ڈیوٹی لگادی۔

رام دیال ایک من آٹا تک اپنے کندھے پر اُٹھا کر اس کے گھر پہونچا دیتا تاکہ مزدور کے دو پیسے نہ دینا پڑیں۔ وہ کوئلے اور لکڑیاں تک اٹھا کر لے جاتا۔

منیجر کی بیوی نے جب دیکھا کہ مفت کا نوکر ہاتھ آگیا ہے تو جب وہ سبزی وغیرہ خرید کر گھر پہونچاتا تو بیوی اسے کوئی نہ کوئی کام بتا دیتی۔

ملازم ہونے کے پندرہ روز بعد یہ حالت ہوگئی کہ رام دیال شام آٹھ بجے سے پہلے فارغ نہ ہو سکتا۔

ایک روز منیجر نے دفتر میں کہا۔

"رام دیال ———"

"جی ———"

"میری سائیکل کے پچھلے پہیہ میں پنکچر ہو گیا ہے۔ جاکر لگوا لاؤ۔"

"صاحب آپ سلوشن کیوں نہیں خرید لیتے میں لگا دیا کروں گا پنکچر ——— آپ کی

سائیکل پر ہر دوسرے تیسرے روز پنکچر ہو جاتا ہے۔"

اس روز کے بعد رام دیال کے فرائض میں پنکچر لگانا بھی شامل ہو گیا۔

آخر تیس روز ختم ہو گئے۔ رام دیال بے حد خوش تھا۔ دوپہر کو جب کتاب کا منی آرڈر دے گیا تو رام دیال نے کہا۔

"صاحب! کل مجھے تنخواہ مل جائے گی ___؟"

"کل! کیوں ایسی کیا جلدی ہے ___؟" منیجر نے کہا۔

"صاحب ایک مہینہ ختم ہو گیا ہے۔"

"تمھیں یہاں کام کرتے ہوئے ایک مہینہ بھی ہو گیا ہے ___؟"

"جی ہاں ___" رام دیال نے کہا۔

"ہوں ___" منیجر نے کہا اور خاموش ہو کر کام کرنے لگا۔

رام دیال کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ اس امید میں پندرہ منٹ بیٹھا رہا کہ منیجر اب کہے گا ___ اب کہے گا۔ جب منیجر نے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے جرات کر جمع کر کے کہا۔

"صاحب ___"

"کیا ہے ___" منیجر نے اونچے لہجے میں کہا۔

"کل۔ میری تنخواہ مل جائے گی نا ___"

"تمھیں تنخواہ کی فکر کیوں ستائے جا رہی ہے جب کام کیا ہے تو تنخواہ بھی مل جائے گی۔ کل نہیں ملے گی تو پرسوں مل جائے گی ___ دو چار روز بعد مل جائے گی۔"

رام دیال کے دل کی دھڑکن بند ہو گئی۔ اس کا چہرہ اتر گیا۔

"میرا منہ کیا دیکھ رہا ہے۔" منیجر گرجا۔ "کام کیوں نہیں کرتا ہے۔"

"جی کر رہا ہوں ___ کر رہا ہوں ___" کہہ کر رام دیال کام پر جھک گیا۔

اس شام آٹھ بجے جب رام دیال گھر پہنچا تو وہ بے حد تھک چکا تھا۔

"دیال! کیا کل تنخواہ مل جائے گی ___" شیلا نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"میرے لئے ایک دوپٹہ ضرور لانا ــ"

"میرے لئے قمیض ــ" چھوٹے بھائی نے کہا۔

اور سب بھائیوں اور بہنوں نے فرمائش کر دی۔ بھولو بھی آگیا تھا۔ "بھیّا میرے لئے جلیبی لانا ــ" اس نے توتلی زبان میں کہا۔

"لے جا ــ تو کیا اکیلا ہی کھائے گا ــ" بھولو سے بڑا بجرنگ بولا۔

"ہاں ــ!" بھولو نے کہا۔

"تو کھا جائے گا تو میں تیری ٹانگ توڑ دوں گا۔

"جا جا ــ" بھولو نے منہ چڑایا۔

پھر دیکھتے دیکھتے دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔

رام دیال نے دونوں کو الگ الگ کیا۔ "ابے پاگل ہو گئے ہو۔ پہلے جلیبیاں تو آنے دو ــ جب آئیں گی تب دیکھا جائے گی۔"

اتنے میں ماں بھی آگئی۔

"یہ کیا ادھم مچا رکھی ہے ــ ؟"

"بھولو نے کہا کہ تنخواہ ملنے پر جلیبیاں لانا۔ بڑا بولا تو اکیلا کھائے گا بس اسی بات پر گتھم گتھا ہو گئے ــ"

"بھولو ہے ہی نامراد ــ" ماں نے کہا اور اس کی پیٹھ پر ایک تھپڑ جڑ دیا۔

"ماں ــ مت مارو اسے ــ" رام دیال نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔

بھولو زور زور سے رونے لگا۔ اس نے تمام گھر سر پر اٹھا لیا۔ ماں اس کے رونے پر بپھر گئی۔ اس نے اس کے ایک مکا اور جڑ دیا وہ اور زور سے رونے لگا تو شیلا اسے اٹھا کر باہر لے گئی۔

"ان نامرادوں نے تو جینا حرام کر رکھا ہے۔" ماں نے کہا۔

"ماں کیوں ناحق پریشان ہوتی ہو۔ تنخواہ ابھی آئی نہیں اور یہ چیزیں خریدی نہیں گئیں اور گھر میں فساد شروع ہو گیا۔" رام دیال نے کہا۔

"کیا کل تنخواہ مل جائے گی ــ ؟" ماں نے پوچھا۔

"شاید ــ"

"شاید۔" ماں نے چونک کر کہا۔ "کیوں ـــ ؟ مہینہ ختم نہیں ہوا ہے۔"

"مہینہ تو ختم ہو گیا ہے ماں لیکن فرموں میں اسی طرح تنخواہ ملتی ہے۔ سرکاری نوکری کی طرح باقاعدگی نہیں ہے۔ میں نے منیجر سے کہا تھا۔ اس نے ہاں نہیں کہی۔ کہہ دیا کہ دو ایک روز میں مل جائے گی۔"

"دو ایک روز میں ـــ لیکن بیٹا تنخواہ مل تو جائے گی ـــ"

"ہاں ہاں ضرور ملے گی ـــ کیوں نہیں ملے گی۔ آخر میں نے کام کیا ہے ـــ" رام دیال نے جواب دیا۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ تنخواہ ہی نہ ملے تو بچے کو کیا دوں گی۔ میں نے تو بچے سے وعدہ کیا تھا کہ ایک ماہ بعد دس روپے لوٹا دوں گی۔" ماں نے کانپتی آواز میں کہا۔

"گھبراؤ نہیں ماں!" رام دیال نے کہا اور گھر سے باہر چلا گیا۔

اگلے روز رام دیال کو تنخواہ نہ ملی۔ اگرچہ اس نے منیجر کو یاد دلایا بھی تھا لیکن اس نے ترش روئی سے کہا تھا کہ "مالک بھاگ نہیں جائے گا۔ مل جائے گی تنخواہ۔"

وہ ڈوبتے دل اور افسردگی کے ساتھ گھر میں چوروں کی طرح داخل ہوا۔ ماں اور شیلا اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ اس کے آنے کی خبر آگ کی طرح پھیل گئی اور تمام بھائی بہن جو گلی میں کھیل رہے تھے دوڑ کر گھر میں پہنچ گئے۔

لیکن ماں اور شیلا دونوں انھوں نے رام دیال کو خالی ہاتھ دیکھا تو ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

بھولو نے جرات کر کے پوچھا "بھیا! میری جلیبیاں ـــ ؟"

"آج نہیں بھولو! کل لاؤں گا ـــ آج تنخواہ نہیں ملی۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو ـــ" بھولو نے چلا کر کہا۔

بس پھر کیا تھا بھولو نے جلتی پر تیل ڈال دیا تھا ماں پہلے ہی بھری بیٹھی تھی وہ دوڑی اور اس نے بھولو کو پکڑ لیا اور چھوٹتے ہی تین چار تھپڑ اس کے رسید کر دیئے۔ گھر میں پھر وہی رونا، چیخنا اور چلانا شروع ہو گیا۔ تمام بچے سہمے ہوئے ایک طرف کھڑے تھے۔ آج رام دیال نے ماں کو روکا نہیں بلکہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔

تیسرے روز وہ گھر پہنچا تو بھولو کے سوا کوئی اس سے پوچھنے نہ آیا کہ اسے تنخواہ ملی ہے یا نہیں۔

"بھیا! میری جلیبیاں لائے؟"

"نہیں بھولو آج بھی نہیں ـــ"

"پھر کب لاؤ گے ـــ؟"

"کل جب تنخواہ ملے گی"

"کبھی تنخواہ نہ ملے گی ـــ" بھولو نے کہا۔

"!" ماں چلائی اور اس کی طرف لپکی۔ لیکن آج ننھا بھولو پہلے سے تیار تھا جیسے ہی ماں اٹھی وہ کمرے سے بھاگ گیا۔

رام دیال اور شیلا اداس تھے لیکن بھولو کی اس حرکت پر بے اختیار ہنس پڑے۔ جیسے کوئی بڑا لطیفہ ہو گیا تھا۔

ماں اور شیلا نے پوچھنا ہی بند کر دیا۔ رام دیال جیسے ہی مونہہ لٹکائے گھر میں داخل ہوتا وہ سمجھ جاتیں کہ آج بھی تنخواہ نہیں ملی ہے۔

چھٹے روز شام کے سات بجے جب رام دیال گھر جانے لگا تو منیجر نے اُسے پکارا۔

"رام دیال ـــ"

"جی ـــ" رام دیال نے افسردہ لہجے میں کہا۔ اس نے پچھلے دو روز سے تنخواہ کا ذکر بھی نہ کیا تھا۔

"اپنی تنخواہ لے جاؤ ـــ"

"جی ـــ" رام دیال کو یقین ہی نہ آرہا تھا کہ اس کے کانوں نے کیا سنا تھا ـــ "آپ مذاق کر رہے ہیں ـــ"

"مذاق ـــ" منیجر کا پارہ چڑھ گیا۔ "اس میں مذاق کی کیا بات ہے۔ مالک آج کہہ گئے تھے کہ تمھیں تنخواہ دے دی جائے۔ کیا تم لینا نہیں چاہتے ہو؟"

"کیوں نہیں! کیوں نہیں۔ منیجر صاحب —"

"پھر مذاق کیوں کہا تھا تم نے —؟"

"جی غلطی ہو گئی مجھ سے۔"

"اچھا اچھا —" منیجر نے بیزار لہجے میں کہا۔ "اس واؤچر پر دستخط کر دو — اور تنخواہ لے لو۔"

"جی کہاں کر دوں دستخط —" رام دیال نے خوشی سے پاگل ہو کر کہا۔

"یہ بھی نہیں جانتا ہے کہ دستخط کہاں کئے جاتے ہیں۔" منیجر نے ترش روئی سے کہا۔

"جی! زندگی میں پہلی بار تنخواہ لے رہا ہوں۔"

"اچھا اچھا باتیں نہ کرو۔ اس جگہ پر دستخط کر دو —

منیجر نے سخت لہجے میں کہا۔

"جی نہیں —"

"کوئی بات نہیں! تم دستخط کر دو۔" اٹھ کر منیجر نے واؤچر آگے بڑھایا۔

"جی — کیا بات کی۔"

"ابے تنخواہ لے رہا ہے آخر رسیدی ٹکٹ نہیں لگے گی —"

"ہاں ہاں! ضرور لگے گی —" رام دیال نے قلم تلاش کرنا چاہا۔

"یہاں کر دوں دستخط۔"

"ہاں —" منیجر نے بنا دیکھے کہا۔

رام دیال کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ قلم اس کے ہاتھ سے گرا جا رہا تھا صرف اپنا نام لکھنے سے اسے تنخواہ مل جانا تھی۔

"ابے — یہاں نہیں — ٹکٹ پر — کیا گدھا آدمی ہے۔ اتنا بھی نہیں جانتا —" منیجر نے ڈانٹ کر کہا۔

"جی میں سمجھا کہ ٹکٹ خراب نہ ہو جائے۔" رام دیال نے خفت کو چھپانے کی خاطر ہنس کر کہا۔ وہ کانپتے ہاتھ سے دستخط کرنے لگا۔ اس کی نگاہیں بھی کانپ رہی تھیں اور اس سے پڑھا ہی نہ جاتا تھا کہ واؤچر پر لکھا کیا ہے۔ پھر اس کی

کا پتی نگاہیں الفاظ پر جم گئیں۔ جیسے ہی اس نے دستخط کئے وہ بول اٹھا۔ "صاحب یہ تو پچیس روپے کی رسید ہے۔"

"ہاں ــــ" منیجر نے کہا۔

"لیکن آپ ــــ آپ نے میری تنخواہ پندرہ روپے بتائی تھی ــــ" رام دیال نے سرد لہجے میں کہا۔

"پھر کیا ہوا! تمھیں پندرہ روپے ہی تنخواہ ملے گی۔"

"پچیس کیوں لکھے ہیں ــــ؟"

"ہر بات میں ٹانگ اڑاتے ہو تم ــــ یہ انکم ٹیکس سے بچنے کیلئے ہے۔" منیجر نے کہا۔

"جی جی ــــ" رام دیال اُداس ہو گیا۔

منیجر نے پندرہ روپے پندرہ آنے اس کے حوالے کر دیئے۔ رام دیال نے انھیں ایک پیلے اور بوسیدہ کپڑے میں باندھ لیا جسے وہ رومال کے طور پر استعمال کرتا تھا۔

"اب گھر جا رہے ہو ــــ" منیجر نے پوچھا۔

"جی ہاں ــــ"

"دیکھو ــــ" منیجر نے ایک فائل الٹتے ہوئے کہا۔ "تمھیں کل سے کام پر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جی ــــ" رام دیال کا مونہہ حیرت سے کھل گیا۔

"سنا نہیں! مونہہ پھیلائے کیا دیکھ رہے ہو ــــ اب جاؤ یہاں سے۔" منیجر نے چلا کر کہا۔

"لیکن صاحب! میں میں ــــ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ اگر آپ میرے تنخواہ لینے پر ناراض ہیں تو میں کل سے نہ لوں گا ــــ"

"مجھے تمھارا کام پسند نہیں آیا ــــ" منیجر نے کہا۔

"کام پسند نہیں آیا۔ صاحب میں بے حد غریب آدمی ہوں۔ آپ مجھے موقع دیں، میں زیادہ محنت اور جانفشانی سے کام کروں گا۔" رام دیال نے گڑگڑا

کر ہاتھ جوڑے ـــــ

"ہم نے یہاں ٹریننگ کا اسکول نہیں کھول رکھا ہے۔"

"صاحب! آپ میری تنخواہ کم کر دیجئے لیکن مجھے ملازمت سے نہ ہٹایئے۔"

"میرے پاس وقت نہیں ہے ـــ اب جاؤ تم ـــ" منیجر نے کڑک کر کہا۔

"صاحب! میں مر جاؤں گا۔ آپ پورے مہینے کی تنخواہ نہ دیں لیکن ملازمت سے برطرف نہ کریں ـــ"

"مالک نے کہا ہے کہ تم اس جگہ کام کرنے کے قابل نہیں ہو ـــ" منیجر نے روکھے لہجے میں کہا۔

"مجھے آپ برطرف نہ دیں۔ میں مالک کے پاؤں پکڑ لوں گا۔ میں آپ کے بھی پاؤں پکڑتا ہوں ـــ" کہہ کر رام دیال نے آگے بڑھ کر اس کے پاؤں پکڑ لئے۔

منیجر نے پاؤں جو کھینچے تو اس کے شو کی ٹھوکر رام دیال کے چہرے پر پڑی۔ رام دیال اس درد کو پی گیا۔

"اب تم یہاں سے چلے جاؤ اور مالک سے ملنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ انجام اچھا نہ ہوگا ـــ" منیجر

"میں آپ کی اجازت کے بنا نہیں ملوں گا۔ آپ مجھ پر رحم فرمایئے۔ میں نے جو پچیس روپے آپ کو دیئے تھے وہ بنئے سے قرض لایا تھا اب میں اسے کہاں سے لوٹاؤں گا ـــ" رام دیال کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"دیکھو اگر تم نے کسی سے اس بات کا ذکر کیا تو میں تمہیں چوری کے الزام میں گرفتار کرا دوں گا ـــ میں کہہ دوں گا کہ تم نے یہاں سے کیش چوری کر لیا ہے۔ خیریت اسی میں ہے کہ اب تم یہاں سے چلے جاؤ اور آئندہ اس دفتر کا رخ نہ کرنا ـــ" منیجر نے دھمکی دی۔

رام دیال ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگا۔ آنکھوں سے آنسو ساون بھادوں کی طرح بہہ رہے تھے۔

"اب جاتے ہو یا پولیس کو بلاؤں ـــ"

رام دیال بے بس و لاچار ہو گیا۔ وہ روتا ہوا دفتر کی سیڑھیوں سے اتر

گیا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا۔ اب وہ کس منہ سے گھر جائے۔ جب ماں کو پتہ چلے گا کہ اسے نوکری سے برخاست کر دیا گیا ہے تو اس پر کیا گذرے گی۔ بنئے نے اگر باپ سے قرض کا تقاضہ کر دیا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ شیلا کیا کہے گی۔ وہ اس کیلئے دوپٹہ نہ خرید سکا۔ دیگر بھائی بہنوں کی فرمائش ـــ بھولو کی جلیبیاں۔

وہ بے حد پریشان، اداس، غمگین اور متفکر تھا۔ کیا وہ جا کر خودکشی کر لے ـــ لیکن لیکن ـــ خودکشی کرنا پاپ ہے۔ اس کی ماں کیا کہے گی۔

جب بازاروں میں چلتے چلتے اس کے پاؤں تھک گئے تو وہ گھر پہونچ گیا۔ اس کا اداس اور متفکر چہرہ دیکھ کر ماں اور شیلا نے حسب معمول یہی سمجھا کہ اسے تنخواہ نہیں ملی۔ وہ خاموشی سے ایک چارپائی پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ بات کس طرح شروع کرے وہ کیوں کر بتائے کہ اسے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا ہے۔

اس کا ذہن بے حد پریشان تھا اس کا جی چاہتا تھا کہ بچے کی طرح بلک بلک کر رونے لگے۔

ماں جب باورچی خانہ میں چلی گئی اور شیلا اور دیگر بچے باہر چلے گئے تو وہ اٹھ کر باورچی خانہ میں چلا گیا۔ کچھ دیر وہ دروازے میں کھڑا رہا۔ ماں دال نکال کر چن رہی تھی۔ جب ماں نے اس سے یہ بھی نہ پوچھا کہ اسے بھوک پیاس تو نہیں تو وہ خود ہی بولنے پر مجبور ہو گیا۔

"ماں ایک گلاس پانی دے دو۔"

"لے لو ـــ"

"تم دے دو ناماں ـــ"

"دیکھ نہیں رہے ہو میں دال چن رہی ہوں ـــ" ماں نے بیزار لہجے میں کہا۔

اتنے میں شیلا بھی وہاں آگئی۔

"شیلا تم ہی ایک گلاس پانی دے دو ـــ"

شیلا نے زبان سے تو کچھ نہ کہا ہاں پانی کا گلاس بھر کر تھما دیا۔ رام بالی

وہ تین منٹ سوچتا رہا۔ آخر ماں کا مونہہ کیوں بدل گیا تھا۔ جب تک اسے ملازمت نہ ملی تھی وہ اس کا دل بڑھاتی رہی تھی۔ اور اب اگر اسے تنخواہ ملنے میں دیر ہو رہی تھی تو اس میں اس کا کیا قصور تھا۔ منیجر نے دیر کی تھی۔

"ماں —" رام دیال نے بھاری آواز میں کہا۔

"ہوں —" ماں نے نگاہیں دال پر سے اٹھا کر جواب دیا۔ شیلا اسے پانی دے کر چولھا جلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ماں! مجھے تنخواہ مل گئی ہے —" رام دیال نے آہستہ سے انکشاف کیا۔

"کیا —" ماں نے وہ تھالی فرش پر رکھدی جس میں دال تھی۔ شیلا چولھا جلانا بھول گئی۔

"ہاں ماں —" کہہ کر رام دیال نے جیب سے وہ پوٹلی نکالی جس میں روپے بندھے تھے۔

تنخواہ مل گئی ہے بھئیں —" شیلا اٹھ کر اس کے قریب آ گئی۔ "اور دیال تم میرے لئے دوپٹہ نہیں لائے؟"

"ارے پگلی! اگر بھئیں تنخواہ مل گئی ہے تو یہ چاند سا چہرہ اس طرح کا بنا کر کیوں آئے ہو۔ آج میرے بیٹے کو پہلی تنخواہ ملی ہے ڈھولک لاؤ، گیت گاؤ، خوشیاں مناؤ — میں نے بجرنگ بلی کی منت مانگی ہے۔ میں جا کر سوا روپے کا پرشاد چڑھاؤں گی — جاؤ میرے بچوں کو بلاؤ — گیت گاؤ —" ماں نے دیوانہ وار کہا۔

"ماں! اتنی خوش ہونے کی بات نہیں ہے —" رام دیال نے کہا۔

"خوش ہونے کی بات کیوں نہیں —؟" شیلا نے کہا۔

"نہیں! تنخواہ دے کر منیجر نے مجھے نوکری سے چھٹی دیدی —" رام دیال نے بجھے دل سے کہا۔

"کیا —" ماں کا مونہہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ تمام مسرت اس کے چہرے سے کافور ہو گئی تھی۔

"نوکری سے چھٹی دیدی —" شیلا نے اُداس لہجے میں کہا۔

"ہاں —" رام دیال نے چہرہ جھکا کر کہا۔

"لیکن کیوں —؟" شیلا نے پوچھا۔

"اسے میرا کام پسند نہیں تھا —" رام دیال نے مجرم کی طرح کہا۔

"تمہارا کام پسند نہیں تھا —" شیلا غرائی "تمہارا کام — تم صبح سے شام تک کام کرتے رہے ہو۔ تم نے اس کے گھر کا کام کیا — تم نے دن نہیں دیکھا رات نہیں دیکھی — بھوکے پیاسے رہ کر کام کیا۔ اس کے باوجود اسے تمہارا کام پسند نہیں آیا —"

"کام پسند آیا یا نہیں — لیکن اب کیا ہو گا —" ماں نے سہمی آواز میں کہا۔

"اب کیا ہونا ہے ماں —" شیلا نے کہا۔

"کتنی تنخواہ ملی ہے —؟" ماں نے پوچھا۔

"ایک آنہ کم پندرہ روپے —" رام دیال نے جواب دیا۔

"ایک آنہ کیوں کم دیا اس نے —؟" شیلا نے پوچھا۔

"رسیدی ٹکٹ کا کاٹ لیا —"

"اب کیا ہو گا —" ماں نے پھر کہا "بنئے کا قرض کس طرح ادا ہو گا —؟"

"اب کیا ہو سکتا ہے ماں! جو ہونا تھا ہو گیا — یہی پندرہ روپے بنئے کو دے دیں گے — اس کے دس رہ جائیں گے —" شیلا نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

"کس کے دس روپے رہ جائیں گے —؟" باپ نے دروازے میں کھڑے ہو کر کہا۔

ماں، شیلا اور رام دیال نے ایک دوسرے کو دیکھا اور سوچنے لگے کہ کون جواب دے۔

"کس سے قرض لیا ہے تم لوگوں نے —؟" باپ نے گرجدار آواز میں کہا۔

"بنئے سے —" رام دیال نے مجرم کی طرح کہا۔

"کتنا — ؟"

"پچیس روپے —"

"کیوں — ؟"

"جس جگہ مجھے ملازمت ملی تھی منیجر نے مجھ سے پچیس روپے رشوت مانگی تھی۔"

"اور تنخواہ پندرہ روپے مقرر ہوئی تھی —" باپ نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ "اور آج تمھیں ملازمت سے چھٹی دے دی ہے۔"

"جی ہاں —"

"کتنے روپے دیئے اس نے — ؟"

"ایک آنہ کم پندرہ روپے —"

"ایک آنہ کم کیوں — ؟"

"ایک آنہ رسیدی ٹکٹ کا کاٹ لیا۔"

"رسیدی ٹکٹ کا —" باپ چلا کر بولا۔ "رسیدی ٹکٹ تو بیس روپے یا زائد رقم پر چسپاں کیا جاتا ہے —"

"جی ہاں تو اس نے مجھ سے چوبیس روپے کی رسید لی ہے —" رام دیال نے کہا۔

"اور تم انٹرنس پاس ہو گئے ہو نا —" باپ نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔

"اور تمھاری ماں چاہتی تھی کہ تم کو بی۔ اے ہو جانا چاہیئے — چوبیس روپے — تم نے ایک مہینہ اور کتنے دن کام کیا ہے — ؟"

"ایک مہینہ چھ دن —"

"شاباش! تم واقعی پڑھ گئے ہو اور مجھ سے زیادہ پڑھ گئے ہو۔ ابے گدھے کے بچے سیدھی سی بات ہے کہ اس نے تمھیں بیس روپے ماہوار پر ملازم رکھا — ایک ماہ چھ دن کے چوبیس روپے بنتے تھے۔ نو روپے اس نے اپنی جیب میں تمھاری تنخواہ سے ڈال لیئے — پچیس روپے رشوت لے لی — یعنی اس نے تمھاری ملازمت کی آڑ میں صرف ایک ماہ میں چونتیس روپے کمائے — نہیں ہر ماہ ایک لڑکا پکڑا پچیس روپے رشوت لی۔ ایک

ماہ چھ دن کام کرایا۔ اور پندرہ روپے تنخواہ دے کر نوکری سے برخاست کر ڈالا۔ اور تم لوگوں نے مجھ سے اس لئے چھپائے رکھا کہ میں اس قسم کے فریب سے آگاہ نہ کر دوں ــــ اب تم ہی ادا کرو اس بنئے کا قرض ــــ میں ایک پائی نہیں دونگا۔"

رام دیال کیلئے زمین نہ پھٹی ورنہ وہ اس میں سما جاتا۔ یہ الفاظ تیز نشتر کی طرح اس کے سینے میں اتر رہے تھے۔ شرم سے اس کا سر نہ اٹھ رہا تھا۔ ماں اور شیلا بھی مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑی تھیں۔

"لیکن ہم نے تو بہتری کیلئے ہی کیا تھا ــــ" ماں نے نحیف آواز میں کہا۔

"پھر سوچ کیا رہی ہو۔ بہتری تو ہو گئی ہے۔ اب تالیاں بجاؤ اور اپنے اس قابل، لائق اور انٹرنیس پاس بیٹے سے کہو کہ کما کر لاؤ اور اس بنئے کا قرض ادا کر دو ــــ"

اس شب ماں کے پیہم اصرار پر بھی رام دیال نے روٹی نہ کھائی۔ جیسے روٹی ترک کرنے سے وہ رقم بچ جائے گا۔ تمام رات وہ پریشان رہا۔ تضحیک، طعنے، طنز اس عمر میں برداشت نہ ہو سکتے تھے لیکن ساتھ ہی اس کا ذہن اس سوال کا جواب دینے سے عاری تھا کہ ملازمت ملے تو کہاں ملے۔ اور کیوں کر ملے ــــ اب اگر ملی بھی تو رشوت دینے کیلئے پیسے کہاں سے لائے۔

رات کی تاریکی میں اور تاریک زندگی میں اسے ایک شعاع نظر آئی ــــ اس نے ایک فیصلہ کر لیا۔ یہ اس کی زندگی کا واحد حل ہی تھا۔

اگلے روز صبح وہ دفتر کے بڑے دروازے پر کھڑا تھا۔ دیواروں پر بڑے بڑے بورڈ آویزاں تھے۔ وہ اس دفتر کے آگے سے کئی بار گذرا تھا۔ وہ جانتا

تھا کہ یہاں ملازمت مل سکتی ہے۔ لیکن وہ حوصلہ نہ کر سکا تھا۔ اور آج وہ اس بغاوت پر اس لئے مجبور ہوا تھا کیونکہ گذشتہ شام جو تضحیک اور طنز اُسے ملا تھا وہ برداشت سے باہر تھا۔

بڑے دروازے پر کھڑا وہ چند منٹ سوچتا رہا پھر حوصلہ کر کے اندر چلا گیا۔

اندر وہ پھر رہے تھے جو بھرتی ہونے آئے تھے۔ ایک طرف چند جوان ننگے بدن قطار کی شکل میں بیٹھے تھے جن کا ڈاکٹری معائنہ ہو رہا تھا۔

وہ بڑے سے ہال میں داخل ہو گیا۔ ایک کاؤنٹر کے پیچھے متعدد نوجوان خاکی وردیوں میں ملبوس کام کر رہے تھے۔ کچھ لوگوں کے سوالات کا جواب دے رہے تھے۔

ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اس کے پاس آ گیا۔

"جوان! کیا چاہتے ہو ــــ؟"

"جی ــــ" رام دیال نے چونک کر اُسے دیکھا" میں ــــ میں نوکری چاہتا ہوں ــــ"

"نوکری! تو اس قدر سہمے اور گھبرائے ہوئے کیوں ہو۔ کہاں کے رہنے والے ہو ــــ؟"

"اسی شہر کا ــــ"

"جاٹ ہو ــــ؟"

"جی نہیں! برہمن ــــ"

"بہت اچھے پنڈت جی ــــ"

رام دیال کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ اب تک تو لوگ اسے نویا تم کہا کرتے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی جس نے کوٹ پتلون پہن رکھی تھی اسے پنڈت جی کہہ رہا تھا۔

"دیکھو گھبرانے کی بات نہیں! بھرتی ہو جاؤ۔ تمھارے تمام پاپ کٹ جائیں گے۔ غربت ــــ افلاس ــــ قرضہ ــــ سب کچھ اتر جائے گا۔"

"قرض بھی اُتر جائے گا ــــ" رام دیال نے سوال کیا۔

"ہاں! سب قرض معاف ہو جائے گا۔ ساہوکار ڈگری نہیں کر سکے گا۔ اگر تم فوج میں بھرتی ہو جاؤ ــــ پنڈت جی!" "سب سے زیادہ تنخواہ آرمرڈ کور میں ملتی ہے ــــ"

"آرمرڈ کور ــــ وہ کیا ہوتا ہے ــــ؟" رام دیال کو آرمرڈ کور زبان سے ادا کرتے وقت تکلیف ہوئی۔

"ٹینک رجمنٹ کو آرمرڈ کور کہتے ہیں۔ وہاں خطرہ بھی بالکل نہیں ٹینک خالص فولاد کا بنا ہوتا ہے اور اس کے اندر بیٹھنے سے دشمن کچھ بھی نہیں کر سکتا۔"

"کیا کوئی اور کام نہیں ــــ؟"

"ہر قسم کا کام ہے پنڈت جی یہاں۔ نوکری بھی ــــ تنخواہ جب چاہو لے لو۔ بینک دکھاؤ اور تنخواہ مل جاتی ہے ــــ بحری فوج میں بھی بھرتی ہو سکتے ہو۔ ہوائی فوج میں ــــ اگر محنت سے کام کرو گے تو ترقی ہو جائے گی۔ ایک کمیشن آفیسر کو کم سے کم ساڑھے چار سو روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔"

"ساڑھے چار سو روپے ماہوار ــــ" رام دیال کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"بس چونک گئے پنڈت جی! فوج میں تو دو دو ہزار اور چار چار ہزار روپے ماہوار تنخواہ بھی ملتی ہے ــــ کیا تم پڑھے لکھے ہو ــــ؟"

"جی ہاں! اسی سال میٹرک کیا ہے ــــ فرسٹ ڈویژن میں لیکن غربت کی وجہ سے کالج نہ جا سکا۔"

"آؤ میں تمھیں کپتان صاحب سے ملوا دوں۔ ایک کالج کیا ــــ اگر تم نے چار برس ملازمت کی اور محنت سے کام کیا تو تمھیں بی۔ اے کی ڈگری بھی مل جائے گی ــــ" اس آدمی نے کہا۔

"میں بی۔ اے بھی ہو جاؤں گا ــــ" رام دیال کا دل مسرت سے ناچ رہا تھا۔

"آپ سمجھتے کیا ہیں پنڈت جی ــــ اس نے کپتان صاحب کے پاس ــــ کہہ کر وہ شخص آگے بڑھ گیا۔

ایک کمرے کے باہر تختی پہ لکھا تھا کیپٹن لال خاں۔ اسسٹنٹ ریکروٹنگ آفیسر ——"آجاؤ ——" آدمی نے کہا اور دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

کشادہ کمرے میں خوبصورت میز کے پیچھے کیپٹن لال خاں فوجی وردی میں ملبوس بیٹھا تھا۔ اس کے کندھوں پر ستارے جگمگا رہے تھے سینے پر رنگ برنگے فیتے لگے تھے۔

رام دیال سلام کر کے کھڑا ہو گیا۔

"کھڑے کیوں ہو پنڈت جی بیٹھ جاؤ ——" کہہ کر اس شخص نے رام دیال کو کندھے سے پکڑ کر بٹھا دیا۔

"بیٹھئے بیٹھئے پنڈت جی ——" کیپٹن لال خاں نے کہا۔

رام دیال کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہنستے ہوئے لوگ اسے بٹھا رہے تھے۔ آج تک ہر شخص نے اسے حقیر جانا تھا۔

"ہاں مسٹر ٹھاکر صاحب کیا چاہتے ہیں آپ ——؟" کیپٹن لال خاں نے مسکرا کر کہا۔

"کپتان صاحب!" وہ بولا "پنڈت جی نے اس سال میٹرک پاس کیا ہے۔ فرسٹ ڈویژن آئی ہے۔ لیکن کالج میں پڑھائی نہ کر سکے کیونکہ گھر کے حالات ذرا اچھے نہیں ——"

"آپ کا کیا نام ہے ——" کیپٹن لال خاں نے پوچھا۔

"آپ" رام دیال کا دماغ چکرا گیا وہ آپ تھا "جی! رام دیال"

"مسٹر رام دیال ——" کیپٹن لال خاں نے کہا۔

"جی ——" رام دیال کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ وہ مسٹر بھی تھا۔

"تم بالکل فکر نہ کرو جیسے ہی چار سال گذریں گے ہم آپ کو بی۔ اے کی ڈگری دلا دیں گے ——" ٹھاکر نے کہا "کیوں کپتان صاحب"

"بالکل ——" کیپٹن لال خاں نے تائید کی "مسٹر رام دیال —— ہم آپ کو حولدار بھرتی کریں گے ——"

"میں حولدار بن جاؤں گا ——" رام دیال نے سوال کیا۔

"بالکل — باسٹھ روپے ماہوار تنخواہ۔" لال خاں نے کہا۔

"باسٹھ روپے ماہوار —"

"ہاں مسٹر رام دیال — یہی نہیں — آپ نے یہ کپڑے پہن رکھے ہیں۔ اس سے ہزار درجہ بہتر خاکی کپڑے کی پتلونیں اور بش شرٹیں دیں گے — مفت — ایک گرم کوٹ دیں گے — دو گرم کمبل — بستر — ٹوپی — اور اونی تولیے، چھوٹے جوتوں کی جگہ چمکتے ہوئے چمڑے کے بوٹ — جو بازار میں دس روپے سے کم میں نہیں مل سکتے — اس کے علاوہ ڈاکٹری علاج مفت — آپ جب بھی سفر کریں گے آپ کو انٹر کلاس کا فری پاس دیا جائے گا — سال میں ایک ماہ کی چھٹی تنخواہ کے ساتھ — اور جب آپ چھٹی پر جائیں گے فری ریلوے پاس انٹر کلاس کا — نائی مفت دھوبی کپڑے دھوئے گا — دو وقت کھانا مفت — چائے مفت اور اس کے علاوہ سینکڑوں سہولیتں — غرض کہ تمہارا ایک آنہ بھی خرچ نہ ہوگا سب سرکار دے گی —"

"جی جی —" رام دیال کے حلق سے آواز ہی نہ نکل رہی تھی۔

"کپتان صاحب! ان پر کچھ قرض ہے —" ٹھاکر نے کہا۔

"بالکل فکر نہ کرو۔ کوئی ساہوکار ڈگری نہیں لے سکتا۔ آپ کا کچھ نہیں بگڑ سکتا —" لال خاں نے کہا۔ "آپ کتنے بھائی بہن ہیں؟"

"چھ —"

"کتنے بڑے ہیں —؟"

"جی میں سب سے بڑا ہوں —" رام دیال نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ جتنے چھوٹے بھائی بہن ہیں ان کی اسکول میں فیس معاف ہو جائے گی — اور آپ تنخواہ میں سے جتنے روپے چاہیں گھر بھجوا سکتے ہیں۔ اس کے لئے منی آرڈر کی فیس نہیں لگے گی۔ صرف ایک خط لکھ دیں — ہر مہینہ تاریخ کو آپ کے گھر وہ رقم پہنچ جایا کرے گی — یاد رکھئے دو تاریخ نہیں ہو گی — ہر مہینہ کو باقاعدگی سے۔ اور اس کے علاوہ

جیسے ہی جنگ ختم ہو گی۔ سب سے پہلے ان لوگوں کو سرکاری ملازمتیں ملیں گی جو فوج میں بھرتی ہوئے ہوں گے ــــ پھر فوج میں بھی ترقی کے بہت سے چانس ہیں۔ آپ جمعدار اور صوبیدار بن سکتے ہیں ــــ"

"جمعدار ــــ صوبیدار ــــ" رام دیال نے جو نام سن رکھے تھے اور اس کی دانست میں یہ بہت بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ اب وہ خود بن جائے گا۔

"ہاں ہاں ــــ" کیپٹن لال خاں نے کہا: "یہ فارم بھر دیجئے ــــ آج سے ہی تنخواہ شروع ہو جائے گی ــــ نے کہہ کر لال خاں فارم

"کپتان صاحب! کوئی خطرہ تو نہیں ہے ــــ" رام دیال نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"خطرہ ــــ" کپتان لال خاں مسکرایا: "میں پچیس برس سے فوج میں ہوں ــــ اور آپ ــــــــــــــــ ہوں گے"

"وہ کیا ہوتا ہے ــــ"

"ان لوگوں کو کہتے ہیں جو لڑتے ہیں

اور جو دفتر میں کام کرتے ہیں انھیں۔

کہا جاتا ہے۔ آپ کو رائفل تک نہ اٹھانا پڑے گی ــــ گولی چلانا تو دور رہا ــــ" لال خاں نے کہا۔

"سوچ کیا رہے ہو پنڈت جی دستخط کر دیجئے ــــ باقی میں بھر دوں گا ــــ" ٹھاکر نے کہا۔

دس منٹ میں فارم پر کر دیا گیا۔ یہ وہ سبز باغ تھے جو پچیس لاکھ ہندوستانیوں کو دکھائے گئے تھے۔

فارم پر ہو گیا تو کپتان لال خاں نے اس سے ہاتھ ملایا۔ اس کی پشت پر تھپکی دی۔

"میں ابھی اس کا ڈاکٹری معائنہ کرا دیتا ہوں ــــ" ٹھاکر نے کھڑے ہو کر کہا: "میرے ساتھ آیئے پنڈت جی ــــ"

ایک گھنٹہ بعد جب وہ بھرتی کے دفتر سے باہر نکلا تو اس کے ہاتھ میں پانچ لڈو تھے ـــــ اور انٹر کلاس کا ریلوے پاس اور اسے اسی روز گاڑی میں سوار ہو کر اس شہر پہونچنا تھا جہاں اسے ٹریننگ ملنی تھی۔

رام دیال خوشی خوشی گھر پہونچا تو اس نے سب کو جمع کر لیا۔ ماں ـــــ شیلا ـــــ بھولو ـــــ رادھے ـــــ بجرنگی ـــــ سب آ گئے۔ اور اس نے ان میں لڈو تقسیم کر دیئے۔

•

پھر اس نے ضمن سے تمام واقعہ سنایا کہ اسے باسٹھ روپے ماہوار تنخواہ ملے گی۔ چمڑے کا بوٹ ـــــ ریل کا پاس مفت ـــــ نائی دھوبی ـــــ کھانا مفت ـــــ ڈاکٹر مفت ـــــ اور جب ختم ہو جائے گی تو اسے بی۔ اے کی ڈگری مل جائے گی ـــــ اور سرکاری پکی نوکری ـــــ"

"بیٹا کوئی خطرہ تو نہیں ـــــ"

"نہیں ماں! ہم Non Comission ہوتے ہیں۔ ہمیں بندوق بھی نہیں اٹھانا پڑتی ـــــ لڑنے کا سوال ہی نہیں۔ اور ماں میں نے پچاس روپے ماہوار تمھارے نام کرا دیئے ہیں۔ ہر مہینہ کو تمھیں گھر بیٹھے پچاس روپے مل جائیں گے ـــــ میں تو کپتان صاحب سے کہتا تھا کہ باسٹھ کے باسٹھ ہی لگا دوں ـــــ لیکن انھوں نے کہا کہ پچاس بہت ہیں تمھیں بھی وہاں ضرورت پڑے گی ـــــ وہ لوگ سینما بھی مفت دکھایا کریں گے ـــــ تمام بھائیوں اور بہنوں کی فیس معاف ہو جائے گی ـــــ کیوں بے بھولو ـــــ اب بتا تو کتنی جلیبیاں کھائے گا ـــــ؟"

"دو آنے کی ـــــ" بھولو نے کہا۔

"دو آنے کی کیوں! تین آنے کی کھا ـــــ مجھے دس روپئے پیشگی ملے ہیں ـــــ دس روپے ـــــ یہ لوگ نوکری دینے کیلئے کوئی رشوت نہیں لیتے۔ ماں ـــــ یہ لوگ بہت اچھے اچھے ہیں ـــــ" رام دیال نے ـــــ سے کہا۔

"جانا کب ہے ـــــ؟" شیلا نے پوچھا۔

"آج شام کی گاڑی سے ۔۔۔ یہ دیکھو ۔۔۔ ہے دوسرے درجے کی پاس ہے
آج تک میں نے تیسرے درجے میں ایک بار سفر کیا ہے لیکن اب ہر بار ۔۔ دوسرے
میں سفر کروں گا اور وہ بھی مفت ۔۔۔ ماں ۔۔۔ شیلا ۔۔۔ میں تمہیں بڑے
بڑے شہر دکھاؤں گا ۔۔۔ بمبئی ۔۔۔ کلکتہ ۔۔۔"

"اور مجھے بھی ۔۔۔" بھولو نے کہا۔

"تجھے سب سے پہلے ۔۔۔" رام دیال نے ہنس کر کہا۔

تمام گھر خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔

شام کو جب وہ لوگ اسے گاڑی پر سوار کرانے اسٹیشن پر گئے تو سب کا دل ڈوب رہا تھا۔ رام دیال کی بری حالت تھی وہ زندگی میں پہلی بار ماں باپ سے، بھائیوں اور بہنوں سے جدا ہو رہا تھا۔

ریلوے اسٹیشن پاس کے وارنٹ کے عوض ڈیڑھ روپے کا ٹکٹ دے دیا گیا۔ وہ اپنا چھوٹا سا ٹرنک اور برائے نام بستر اٹھا کر پلیٹ فارم پر چلا گیا۔

ہر فرد کی آنکھیں ڈبڈبائی تھیں۔ دل ڈوب رہے تھے اور جدائی کے غم سے نڈھال تھے۔

"دیکھو اپنی صحت کا خیال رکھنا ۔۔۔" باپ نے نصیحت کی۔

"جی پتا جی ۔۔۔"

"اور ایسے ویسے لوگوں سے بچ کر رہنا۔ شہروں میں بڑی بڑی ہیرا پھیریاں ہوتی ہیں۔ سفر کے دوران اپنے ٹرنک اور بستر کا خیال رکھنا۔ گاڑی سے نیچے بالکل نہ اترنا ۔۔۔ کسی اجنبی سے کوئی کھانے کی شے نہ لینا ان میں دھتورہ یا نشہ ہوتا ہے۔"

"جی —"

"باپ کی نصیحت

"خط لکھتے رہنا —"

"ہاں کیوں نہیں لکھوں گا — خط تو ہمیں مفت ملیں گے۔"

بہن کا نمبر آیا تو شیلا بولی۔

"اس راکھی پر چھٹی لے کر ضرور آنا —"

"ضرور آؤں گا۔ سال میں ایک بار اٹھائیس دن کی چھٹی ملتی ہے۔ تنخواہ کے ساتھ۔"

پھر ہر چھوٹے بھائی بہن نے اپنی اپنی فرمائش کی۔

"بھولو تم تو جلیبی ہی کھلانے گا —" رام دیال نے ہنس کر کہا اگرچہ اس کا دل رو رہا تھا۔

"ہاں بھیا! بہت سی —" بھولو نے کہا۔

"کتنی — ؟" رام دیال اس ماحول کی تلخی کو کم کرنا چاہتا تھا۔

"اتنی —" بھولو نے ہاتھوں کا حلقہ بنا کر کہا۔

"ہاں میں اتنی ہی لاؤں گا —" کہہ کر رام دیال نے بھولو کو اٹھا کر چمٹا لیا۔

"ماں !" رام دیال نے بھرائی آواز میں کہا۔ "اس کا خیال رکھنا۔"

"کیوں نہیں! میں جانتی ہوں تمھیں اس کی شرارتیں بہت پسند ہیں —" ماں نے جواب دیا۔

گاڑی آئی اور چلی گئی — اسی گاڑی کے ساتھ گھر کی رونق کا ایک حصہ بھی چلا گیا۔ باپ کی آنکھیں پرنم تھیں۔ ماں نے اپنے آنسو آنچل میں چھپا لئے بہن نے دوپٹے میں — اور رام دیال نے آنسو چھپانے کے لئے منہ دوسری طرف کر لیا تھا۔

گاڑی جب شہر کی حدود سے نکل گئی۔ جب کھیت شروع ہو گئے۔

اور باہر مکان نہ ہے تو رام دیال کھڑکی کے پاس بیٹھا حسرت اور یاس بھری نگاہوں سے انھیں دیکھنے لگا۔ ساتھی مسافروں سے چھپانے کیلئے اس نے چہرہ کھڑکی سے باہر رکھا ہوا تھا۔ نمناک آنکھوں سے باہر پھیلے کھیتوں کو دیکھ رہا تھا۔

ساڑھے سولہ برس کی عمر میں جسے ریکروٹنگ آفیسر نے بھرتی کر دیا تھا وہ زندگی میں پہلی بار گھر سے دور جا رہا تھا۔ ایک اجنبی شہر میں۔ اجنبی لوگوں میں ——

ایک نئی منزل کی طرف —— اپنے اور اپنے خاندان —— اپنے والدین —— بہنوں کے سہاگ کی خاطر —— بھائیوں کے مستقبل کی خاطر —— وہ ان سے دور جا رہا تھا۔

دوسرا حصہ سنہ ۱۹۴۷ء

ٹریننگ کیمپ میں زندگی بڑی سخت اور پھیکی نہ تھی بلکہ اس کی روح کے لئے عذاب ثابت ہو رہی تھی۔ لیکن اب وہ بھاگ نہ سکتا تھا۔ قانون کی آہنی زنجیر اس کے پاؤں میں پڑی تھی۔ وہ اپنے ہاتھ کٹوا چکا تھا۔

بریڈ پریڈ ذرا سی چوک پہ لانس نائک ماں بہن کی گالیاں دیتا اسے حوالدار سے بات کرتے وقت اٹینشن کھڑے ہونا پڑتا۔ اسے انڈین اور افسروں کو سلام کرنا پڑتا۔ ایک بار اس نے ایک لفٹیننٹ

سے "سر" کے لفظ ——— بات کی ادا سے ڈانٹ پڑی۔

کیپٹن لال خان نے جو تصویر بھرتی کے وقت بیٹن کی تھی وہ کہیں بھی دکھائی نہ دیتی تھی۔ کوئی کیپٹن تو کجا حوالدار بھی اب اس کی پیٹھ پر تھپکی نہ دیتا تھا۔ اسے اپنے پاس کرسی پر نہ بٹھاتا تھا۔

وہ رات کی تنہائیوں، تاریکیوں میں بچے کی طرح بلک بلک کر رونے لگتا۔ اسے گھر کی یاد بڑی ستاتی ——— باپ ——— ماں ——— شیلا ——— بھائی بہن ——— خصوصاً بھولو جسے وہ بے حد پیار کرتا تھا۔

لیکن زندگی گذرتی رہی۔ اس کے دھارے کو کوئی نہیں روک سکا۔ اس کی ٹریننگ ختم ہو گئی اور اسے نامعلوم منزل کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اس کے بازو پر تین سفید رنگ کی دھاریاں لگا دی گئی تھیں۔ اس نے چھٹی مانگی لیکن چھٹی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ جاپان جنگ میں کود پڑا تھا اور دیکھتے دیکھتے جنگ ہندوستان کی سرحد تک پہنچ گئی۔

ایک روز وہ بمبئی پہنچ گیا۔ اس عظیم شہر کو دیکھنے کی اس کے دل میں مدت سے آرزو تھی۔ لیکن اب وہ ہر وقت کھویا کھویا رہنے لگا۔ ویرانی اور گھر کی جدائی اُسے آہستہ آہستہ راس آنے لگی تھی۔ وہ ساتھیوں کے ساتھ بہت کم بولتا ——— اس کا کبھی کسی کے ساتھ جھگڑا نہ ہوا تھا۔

ایک روز وہ پھر ایک نامعلوم منزل کیلئے روانہ ہو گیا۔ وہ سمندری جہاز پر سوار کرا یا گیا۔ سینکڑوں نوجوانوں کے ساتھ جہاز پر سفر کرنے لگا۔ ہر وقت انھیں لائف جیکٹ میں رہنا پڑتا تھا۔ ڈسپلن بڑا سخت تھا۔ زندگی سخت تھی۔ سفر کے دوران کئی بار خطرے کا سامنا ہوا۔ کئی بار یہ افواہ اُڑی کہ دشمن کی آبدوز کشتیاں دیکھی گئی ہیں۔ کسی وقت بھی جہاز اُن کا نشانہ بن سکتا تھا۔ ہر وقت موت سر پہ منڈلاتی رہتی تھی۔

بالآخر خشکی نظر آئی ——— اور اُنھیں جہاز سے اتار دیا گیا۔ مصر سے وہ لیبیا کے تپتے صحرا میں پہنچ گیا۔

دو برس توپیں آگ اگلتی رہیں۔ آسمان بم برساتا رہا ——— اور وہ

والدین کو کچھ نہ لکھ سکتا تھا کہ کہاں ہے۔ گھر سے خطوط آتے رہے۔ گو گھر کی مالی حالت بہتر ہو گئی تھی۔ شیلا کی شادی کی تیاری مکمل تھی لیکن اس وقت تک نہ ہو سکتی تھی جب تک وہ گھر نہ پہنچ جائے۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ سال میں اٹھائیس دن کی چھٹی ملے گی لیکن اُسے فوج میں بھرتی ہوئے اور گھر سے آئے ہوئے ڈھائی سال ہو گئے تھے۔ اور چھٹی خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔

ایک روز اُسے چھٹی مل گئی ——— وہ بحری جہاز پہ سوار ہو کر ہندوستان پہنچ گیا۔

کراچی سے اُس نے گھر کے ہر فرد کیلئے کچھ نہ کچھ خریدا۔ باپ کیلئے پگڑی کا کپڑا، ماں کے لئے سفید کناری دار دھوتی اور سستے سلک کی ایک ساڑھی ——— شیلا کیلئے ریشمی ساڑھی ——— اور بھولو کیلئے ٹین چار کھلونے ——— اور خاص طور پر جلیبیاں۔

اس نے گھر خبر کرنا ضروری نہ سمجھا۔ اتنے برس گھر سے دور رہنے کے بعد وہ ضبط سے کام لینا سیکھ گیا تھا۔ اسے جذبات پہ قابو پانا آ گیا تھا۔ وہ غیر متوقع طور پر گھر میں داخل ہو کر اچنبھے میں ڈال دینا چاہتا تھا۔

جب وہ ریلوے اسٹیشن پہ گاڑی سے اترا تو اس بار وہ ایک محکوم و مجبور انسان نہ تھا۔ اس کے چہرے پہ اچھی خاصی داڑھی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے مونچھیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس کے لب و لہجہ میں اعتماد اور حکم پیدا ہو گیا تھا۔ وہ ایک ڈربوک اور منکسر المزاج کانہ رہا تھا۔

اپنی ٹرنک، بستر، کرنت، ہیور سیک ——— پھلوں کی ٹوکری۔ اس سے پہلے اس نے پھلوں کو صرف دکانوں پر دیکھا تھا خود کبھی کھا کر نہ دیکھا تھا۔ اب وہ حوالدار کامرگ رام دیال تھا ——— پلیٹ فارم پہ کھڑے ہو کر اس نے پھیپھڑوں میں پوری قوت سے ہوا بھری ——— انھیں خالی کیا تحکمانہ لہجے سے ایک قلی کو پکارا۔

قلی سامان اٹھا کر باہر لے گیا۔ چند برس پہلے جب وہ اسی اسٹیشن سے گاڑی پہ سوار ہوا تھا تو اُس کے پاس بوسیدہ بستر تھا۔ اور پرانا ٹرنک جس میں

پہننے کے کپڑے تھے۔ روزنی سیاہ بوٹ پر پالش چمک رہا تھا۔ اینکلز اور نیکلیٹ — — گرم موزے — کلف لگی زیتونی سبز رنگ کی پتلون اور بش شرٹ۔

ان برسوں میں اس کا دبلا پتلا ہڈیوں والا جسم بھر گیا تھا اس کے جسم پر گوشت پوست آگیا تھا۔

اس نے گھر جانے کیلئے سالم تانگہ لیا۔ پچھلی سیٹ پر وہ ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ اور تانگہ چھوٹے سے شہر کی ٹوٹی ہوئی سڑکوں پر ہچکولے کھانے لگا۔ وہی بازار تھا۔ وہی دکانیں تھیں — وہی لوگ — لیکن وہ خود کتنا بدل گیا تھا۔ گھر پہنچنے کیلئے ایک چھوٹا سا راستہ بھی تھا۔ لیکن اس نے تانگہ والے کو حکم دیا کہ تانگہ بازار سے لے کر چلے۔ وہ چھپ کر نہیں جانا چاہتا تھا اور حسب توقع لوگوں کی نگاہیں اس پر اٹھ رہی تھیں۔

تانگہ اس غلیظ محلے میں داخل ہو گیا جہاں اس نے زندگی کے ساڑھے سولہ برس گزارے تھے ——— دکانداروں کی نگاہیں اٹھنے لگیں جیسے دنیا کے آٹھواں عجوبہ دیکھ رہے ہوں۔ ایک دکاندار چلایا — "ارے یہ تو دھنو کا بیٹا دیالو دکھائی پڑتا ہے —"

رام دیال نے یہ سن لیا۔ "کوئی بات نہیں!" وہ بڑبڑایا۔ "سالے میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں دھنو کا بیٹا نہیں ہوں بلکہ پنڈت دھنی رام کا بیٹا ہوں اور میرا نام دیالو نہیں بلکہ حوالدار کلرک رام دیال ہے۔"

"کیا کہا حوالدار جی —" تانگے والے نے بڑبڑانا سن کر کہا۔

"کچھ نہیں —"

محلے کی عورتیں بچے بوڑھے سبھی اس فوجی کو سہمی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ پولیس اور فوج کے ملازمین ان لوگوں کیلئے دہشت اور ہوا تھے۔ عورتوں کے چہرے سوالیہ نشان بنے ہوئے تھے وہ رام دیال کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھیں۔

تانگے کے پیچھے پیچھے بچے دوڑ رہے تھے وہ لٹکنا چاہتے تھے لیکن جب انھوں نے ایک فوجی کو دیکھا تو پیچھے پیچھے بھاگنے پر ہی اکتفا کیا۔

"بس ——" اس نے حکم دیا۔ اور تانگہ رک گیا۔ حوالدار کامریڈ رام دیال
تانگے سے یوں اترا جیسے کسی گاؤں میں تھانیدار گھوڑی سے نیچے اترتا ہے۔ درجن
ڈیڑھ درجن بچے جمع ہو گئے تھے لیکن اس کی نگاہیں ناکام رہیں ان میں سے کوئی
بھی اس کا بھائی نہ تھا۔ عورتیں تانگے کی آواز سن کر گھروں سے نکل آئی تھیں۔
اس کے اپنے گھر سے ایک بچہ نکلا اور ایک فوجی کو دیکھ کر اس نے

فوراً

یہ طلسم ایک عورت کی آواز نے توڑ دیا۔

"ارے یہ تو دیالو ہے ——"

"ہاں ہاں یہ تو اپنا دیالا ہے ——" دو تین یک لخت بولیں۔

پھر وہ عورتیں اس کے قریب آگئیں۔ حوالدار رام دیال کو دیالا بننا پڑا
کسی کو موسی کسی کو چاچی کہہ کر نمستے کہنی پڑی۔

اسی لمحہ اس کے گھر کا دروازہ کھلا اور شیلا باہر نکلی۔

"شیلا ——" رام دیال نے دبی آواز میں پکارا۔

"بھیا تم —— ماں —— دیال آگیا —— دیال آگیا"

بس پھر کیا تھا سارے گھر میں ایک شور مچ گیا۔ اندر سے ماں بھاگی بھاگی
باہر آئی —— "ہیلو ماں ——" کہہ کر رام دیال نے ماں کے پاؤں کو ہاتھ لگانے
چاہا —— رک گیا۔

"جیو میرے لال ——"

دروازے میں اس کی چھوٹی بہن کھڑی تھی "کانتا! تم وہاں کیوں کھڑی
ہو۔ جانتی ہو ماں کانتا نے مجھے پہچانا ہی نہیں۔ دروازہ کھول کر مجھے دیکھا
اور پھر دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی۔

عورتیں مبارک باد دینے لگیں۔ بچے اور قریب آگئے۔ انھوں نے
جب اس فوجی کو باتیں کرتے دیکھا تو کود کر تانگے پر چڑھ گئے۔ شیلا کانتا
اور گلی کے بچوں نے مل کر تانگے سے سامان اتارا۔ رام دیال نے ٹرنک کی
جیب سے بٹوا نکالا اور اس میں سے چمکتے ہوئے —— روپے کی نوٹوں

کی گڈی نکالی۔ تمام عورتوں نے ان نوٹوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔

رام دیال نے ایک نوٹ تانگے والے کی طرف بڑھایا۔ تانگے والے نے جیب سے اٹھنی نکال کر رام دیال کو لوٹا دی۔ "یہ لو جوالا راجی"

"بھیا! تم سالم تانگے میں آئے ہو ـــــ" شیلا نے سوال کیا۔

"ہاں ـــــ" رام دیال نے فخر سے کہا۔

اسباب اندر چلا گیا تھا۔ رام دیال ماں اور شیلا کے ساتھ اندر گیا۔ مکان جو آبائی تھا۔ اور جس کی دیواروں سے پلستر اکھڑ رہا تھا اب چمک رہا تھا۔ رام دیال نے گھر کا جائزہ لیا۔ یہ سب کچھ اسی کی وجہ سے بدل گیا تھا۔

"ماں بھولو کہاں ہے ـــــ؟"

"وہ اسکول گیا ہے ـــــ"

"اسکول ـــــ کون سی کلاس میں پڑھتا ہے ـــــ؟" رام دیال نے کہا۔

"پہلی جماعت میں ـــــ" شیلا نے جواب دیا۔

"خوب! باقیوں کا کیا حال ہے ـــــ؟"

"سب ٹھیک ہے"

"ماں! تم نے مکان کا نقشہ ہی بدل ڈالا ہے" رام دیال نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بیٹا یہ سب تمہاری کمائی کی بدولت ہے کہ گھر کا کام کم ہوتا جا رہا ہے ـــــ بس تمہارا انتظار تھا اب شیلا کے ہاتھ بھی پیلے کر دیئے جائیں گے ـــــ" ماں نے کہا۔ اور شیلا شرما گئی۔

"سب تیاری ہو گئی ہے نا ـــــ"

"ہاں بیٹا! تمہاری بدولت ہر چیز تیار ہے ـــــ"

"ماں! یہ ٹرنک کھول کر دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں"

"میں کھولتی ہوں ـــــ" شیلا نے مسرت سے چلا کر کہا۔

رام دیال نے جیب سے ٹرنک کی تالی نکال کر دی۔ "کانتا! تم کیوں

دور کھڑی ہو۔"

"نہیں تو بھیا ـــــ"

"تو پڑھنے نہیں جاتی ـــــ؟"

"پڑھ کیوں، کون پڑھاتا ہے ـــــ" ماں نے کہا۔

شیلا نے ٹرنک کھول لیا۔ جو زیتونی سبز رنگ کی وردیوں سے بھرا پڑا تھا۔ وہ چلا کر بولی۔

"بھیا تمھیں اتنے کپڑے پہننے کو ملتے ہیں ـــــ!"

"ہاں ـــــ یہی نہیں کمبل ـــــ برساتی کوٹ ـــــ گرم موزے دو اونی اوورکوٹ ـــــ گرم جرسی ـــــ"

"اتنا کچھ ـــــ" ماں نے خوش ہو کر کہا۔

"بھیا! اب تم کتنی چھٹی پر آئے ہو ـــــ"

"دو ماہ کی ـــــ"

"دو ماہ کی ـــــ لیکن بھیا! کہاں رہے تم اتنے برس! خط میں تم لکھ ہی نہ سکتے تھے۔

"مصر ـــــ"

"مصر! یہ کہاں ہے ـــــ؟"

"سمندر پار ـــــ نو دن لگتے ہیں وہاں تک پہنچنے کیلئے ـــــ"

"یہ ماں کیلئے دھوتی ہے ـــــ" شیلا نے دھوتی نکال لی تھی۔

"سب کیلئے کچھ نہ کچھ ہے ـــــ نکالتی جاؤ ـــــ"

حقیقت میں وہ ٹرنک جادو کا تھیلا بن کر رہ گیا تھا۔ جس میں گھر کے ہر فرد کیلئے کچھ نہ کچھ تھا۔ پھر خوشبو دار تیل کی شیشیاں، خوشبو دار صابن۔ کنگھیاں ـــــ کھلونے کیلئے مٹھائی۔

"یہ مٹھائی میں نے کراچی سے خریدی تھی ـــــ" رام دیال نے کہا۔

"کراچی! تم کراچی بھی گئے تھے ـــــ؟"

"ہاں ماں! وہاں ہی تو میں جہاز سے اترا تھا ـــــ"

شیلا نے سارا ٹرنک خالی کر دیا تھا پھر کوٹ کھول ڈالی۔

"بھیا! مچھردانی بھی ملتی ہے تمھیں وہاں — ؟"

"ہاں —"

"یہ اب یہاں ہی چھوڑ جانا —"

"ضرورت ہے تو رکھ لو —" رام دیال نے کہا۔

"تمھیں تو یہ مفت ملتے ہوں گے — ؟"

"مفت تو نہیں! اگر یہ پھٹے ہوئے کپڑے دے دیئے جائیں تو ان کے عوض نئے مل جاتے ہیں۔ ورنہ وہ پیسے کاٹ لیتے ہیں —"

"پھر نہیں رکھتی —"

"نہیں نہیں! بازار سے سستے داموں پھٹے کپڑے، کمبل، اور کوٹ برساتی کوٹ، مچھردانی — وغیرہ مل جاتی ہیں میں خرید لوں گا — بلکہ پتاجی کیلئے بش شرٹ اور گرم پینٹ بھی چھوڑ جاؤں گا —" رام دیال نے کہا۔

"یہاں تو بیٹا کچھ ملتا ہی نہیں! ہر چیز کا راشن ہے۔ چینی، مٹی کا تیل، اور ماچسوں کی بری حالت ہے۔"

"خیر اب میں آگیا ہوں — شیلا کی شادی پر چینی وغیرہ کی ضرورت پڑے گی تو میں ڈسٹرکٹ سیلز — بورڈ سے مل کر حاصل کر لوں گا۔"

"کیا اس طرح مل جائیں گی چیزیں — ؟" ماں نے سوال کیا۔

"ماں تم سمجھتی کیا ہو۔ ملٹری والوں کو بڑی مراعات حاصل ہیں۔ تم نے ایک بار بھی خط لکھوا دیا ہوتا تو تمھیں یہاں ہر شے مل جاتی —"

"کیا ایسا ہو سکتا ہے — ؟" ماں نے سوال کیا۔

"کیوں نہیں ماں! بچوں کی فیس معاف ہے یا نہیں —"

"معاف ہے —"

"اور —" رام دیال نے اپنی آواز دبائی "اس ڈگری کا کیا بنا"

"وہ ادا کر دی ہے —"

"کیوں کر دی — ؟"

"نہیں بیٹا! کسی کا دھن دبانا پاپ ہے۔" ماں نے کہا۔

"وہ الگ بات ہے لیکن جب تک میں فوج میں ہوں اور جنگ جاری ہے وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔"

اتنے میں بھولو اسکول سے آگیا۔ ننگے پاؤں، منہ پر سیاہی پھیلی ہوئی اور عام سے کپڑے کی قمیض اور نیکر۔

"بھولو۔" رام دیال نے کہا: "تو تو یار اب بڑا ہو گیا ہے۔"

بھولو نے اس فوجی کو دیکھا تو سہم کر ماں کے پاس چلا گیا۔

"بھیا کو نمستے کرو۔" ماں نے کہا۔

بھولو خوفزدہ نگاہوں سے رام دیال کو دیکھ رہا تھا۔

"ابے ادھر آنا۔" کہہ کر رام دیال اٹھا اور اس نے بھولو کو اٹھا لیا۔ بھولو چلانے لگا۔ "ابے رو رہا ہے! دیکھ میں تیرے لئے کتنے کھلونے لایا ہوں۔ مٹھائی اور جلیبیاں بھی لایا ہوں۔"

"دیال یہ وردی اتار دو۔" شیلا نے ہنس کر کہا۔ "تمہاری وردی سے تو تمام بچے ڈر جاتے ہیں۔"

"او۔" رام دیال نے ہنس کر بھولو کو اتار دیا۔ "میں ابھی وردی اتار دیتا ہوں۔"

ایک گھنٹہ بعد باقی بھائی بھی آگئے اور گھر میں کہرام مچ گیا۔ شام کو باپ بھی کام سے لوٹ آیا تو گھر خوشی سے ناچ اٹھا۔

ایک ماہ بڑا ہی ہنگامہ خیز تھا۔ رام دیال کی جیب میں دو ماہ کی تنخواہ اور راشن ایڈوانس تھا۔ ہر صبح گھر میں ڈبل روٹی آتی مکھن بھی آتا۔ یہ لوازمات اس گھر کے لئے بیش بہا تھیں۔ رام دیال ہر وقت اپنی زندگی کی باتیں سناتا۔ یہ دن زندگی کے بہترین دن تھے۔ خوشحالی، اچھی خوراک۔ مسرتیں اور ہنسی۔ محلے کے لوگ ان کی خوشحالی پر پریشان تھے جیسا کہ ہر پڑوس میں ہوتا ہے۔

پھر وہ دن آگیا جب گھر میں ڈھولک بٹھا دی گئی۔ ہر شام محلے کی عورتیں جمع ہو جاتیں اور سہاگ گیت گاتیں۔

ایک روز گھر میں حلوائی بٹھا دیا گیا۔ مٹھائیاں تیار ہونے لگیں۔ بچوں کی بن آئی۔ انھوں نے اسکول سے چھٹیاں لے لیں ۔۔۔ یہ ہنگامہ اس روز ختم ہوا جس روز شیلا روتی ہوئی ماں سے، باپ سے، بہنوں اور بھائیوں سے جدا ہو کر سسرال چلی گئی۔

شادی پر جو کچھ کیا گیا وہ تمام رشتہ داروں اور محلے کے لوگوں کیلئے باعث حیرت تھا۔ ہر کوئی سوچ رہا تھا کہ اس نے بھی اپنے بیٹے کو والدار کا مرک کیوں نہ بھرتی کرا دیا۔ وہ کیوں ڈرتے رہے کہ جنگ میں موت واضح ہو سکتی ہے۔ رام دیال تو تین برس بعد بھی زندہ تھا۔

ابھی رام دیال کی چھٹیاں ختم ہونے میں اٹھارہ روز باقی تھے کہ اُسے تار آگیا کہ فلاں جگہ فوراً رپورٹ کرے۔

ایک بار پھر گھر میں اداسی چھا گئی۔ رام دیال نے سامان باندھنا شروع کر دیا۔

"بیٹا! ابھی تمھاری چھٹی ختم نہیں ہوئی ۔۔۔"

"ہاں ماں! لیکن فوج میں یہی تو مصیبت ہے۔"

"اب پھر سمندر پار جاؤ گے ۔۔۔؟"

"شاید ۔۔۔"

"کیا مطلب ۔۔۔؟"

"ضروری نہیں! مجھے کسی جگہ بھی بھیج سکتے ہیں!"

تانگہ آیا۔ سامان رکھ دیا گیا۔ بھولو بضد تھا کہ وہ بھی ساتھ جائے گا۔ رام دیال نے اسے تانگہ میں بٹھایا اور محلے کے نکڑ پر اتار دیا۔ اسٹیشن پر گاڑی میں سوار کرنے صرف باپ جا رہا تھا۔ بھولو زور زور سے چلانے لگا۔ رام دیال نے اسے بڑی تسلیاں دیں، پچکارا ۔۔۔ اسے کچھ پیسے دیئے اور

مٹھائی کا لالچ دیا ـــــ لیکن سب بے سود ـــــ اور وہ اُسے روتا ہوا اور پرنم آنکھوں ـــــ کو چھوڑ کر چلا گیا۔

جنگ جاری تھی۔

ملکوں کی جنگ ـــــ بھوک اور افلاس کی جنگ ـــــ روزی اور پیٹ کی جنگ ـــــ حوالدار کامرک رام دیال اس جنگ سے لڑ رہا تھا۔

اس بار اسے برما محاذ پہ بھیج دیا گیا۔

جرمن اور اطالوی فوجوں کی جگہ جاپانی فوجوں کے مقابلے میں صحرا کی تپتی ریت اور لا محدود دیکھیوں کی جگہ ـــــ ان تھک بارش اور لا محدود مچھروں کے علاقے میں ـــــ کیڑے مکوڑے اور زہریلے جانوروں میں ـــــ اس زندگی میں نیند اپنی نہ تھی اور بھوک اپنی نہ تھی۔ اور وہ گھر سے سینکڑوں میل دور ـــــ والدین اور بہن بھائیوں سے دور ـــــ جنگ لڑ رہا تھا۔

وہ جنگ جس سے اس کا کوئی سروکار نہ تھا۔ اس نے یہ جنگ شروع نہ کی تھی۔ اسے اس کے آغاز اور انجام سے دلچسپی نہ تھی۔ کون جیت رہا تھا، کون ہار رہا تھا ـــــ کیوں جیت رہا تھا اور کیوں ہار رہا تھا۔ وہ یہ جنگ ملک یا قوم کیلئے نہ لڑ رہا تھا۔ یہ جنگ اس کیلئے فرض نہ تھی۔ وہ اپنے پیٹ کی خاطر لڑ رہا تھا۔

اس کا گھر افلاس اور غربت کی تصویر تھا۔ وہاں بھوک اور ننگ ناچ رہے تھے۔ وہ اپنے بہن بھائیوں کے ننگے جسموں پہ کپڑے دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ انکے خالی پیٹوں میں روٹی ڈالنا چاہتا تھا۔ بہنوں کو شادی شدہ دیکھنا چاہتا تھا۔ بھائیوں کو تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے بوڑھے والدین کیلئے سہارا بننا چاہتا تھا۔ وہ اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے بہن بھائیوں کی خاطر

گھر سے دور مصائب اور تکالیف برداشت کر رہا تھا۔ اس بوجھ کو اٹھانے اور منزل تک لے جانے کی کوشش کر رہا تھا جو اس کے کندھوں پر ڈال دیا گیا تھا اور وہ کسی حد تک کامیاب ہو گیا تھا۔

مکان ساہوکار کے پنجے سے نکل آیا تھا۔ بہن کی شادی ہو گئی تھی گھر کی حالت کا نقشہ زار نہ رہا تھا۔ اس کے بہن بھائی اب تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ انھیں پیٹ بھر روٹی ملتی تھی۔ پہننے کو کپڑا مل رہا تھا۔ وہ اپنے لئے کم اور والدین، بھائیوں اور بہنوں کیلئے زیادہ زندہ تھا

بہن کی شادی کو ڈیڑھ برس گزر گیا تھا اور اس عرصہ میں اسے دوبارہ چھٹی نہ مل سکی تھی۔ اسے ایک ٹریننگ کیمپ میں ایک ماہ کیلئے پیراشوٹ ٹریننگ کیلئے بھیج دیا گیا تھا۔ فوج کی ہر بات خفیہ اور راز ہوتی ہے وہ یہ سوال کرنے کی جرأت نہ کر سکا کہ وہ ـــــ کلرک تھا اسے پیراشوٹ ٹریننگ کیوں دی جا رہی ہے۔ اسے پیراشوٹ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ لیکن فوجی زندگی میں سوال پوچھنے کی اجازت نہ تھی۔

ٹریننگ ختم ہونے کے بعد اسے پھر محاذ پر بھیج دیا گیا۔ اس بار اسے اس شہر میں پوسٹ کیا جہاں پیرا ڈروم تھا۔ اس کمپنی میں قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ دشمن کی فوجیں پیچھے ہٹ رہی تھیں اب انھیں ان کے علاقے میں اتارا جائے گا۔ پورا برگیڈ اتارا جائے گا اور انھیں اس برگیڈ ہیڈ کوارٹر میں کام کرنے کیلئے پیراشوٹ ٹریننگ دی گئی ہے۔ وہ بحیثیت کلرک کام کریں گے۔ انھیں رائفلیں نہ اٹھانا پڑیں گی۔ اگرچہ انھیں رائفل، اسٹین گن اور گرینیڈ کی ٹریننگ دی گئی تھی وہ محض وقت ضرورت کیلئے تھی۔

حوالدار رام دیال پریشان رہنے لگا۔ اب تک وہ موت سے بہت دور رہا تھا۔ گو ہوائی جہازوں کے دور میں کوئی بھی جگہ ایسی نہیں رہتی جسے محاذ نہ کہا جائے۔ میدان جنگ سے دو سو میل دور جگہ بھی محفوظ نہ تھی لیکن دشمن کی فوجوں کے عقب میں، دشمن کے علاقے میں پیراشوٹ سے اترنا خطرے سے خالی نہ تھا۔

ہر کوئی جنگ سے تھک گیا تھا۔ رام دیال بھی تھک گیا تھا۔ گھر سے دور، بھائیوں بہنوں سے دور، والدین سے دور ــــ سخت زندگی نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ ادھر شہری زندگی میں سرکاری ملازمتوں کی بھرمار ہو چکی تھی۔ اب وہ چاہتا تھا کہ اس فوجی زندگی کو خیرباد کہہ کر شہری زندگی میں جا کر کسی سرکاری دفتر میں ملازمت کر لے۔ یہ ملازمت جو ایک روز اسے بہت بڑی دکھائی دی تھی اب اتنی بڑی نہ رہی تھی۔ اتنے ہی پیسے شہری زندگی میں بھی مل سکتے تھے۔ اس ملازمت کی بدولت اس کے گھر کا نقشہ بدل گیا تھا۔ غربت، افلاس، بھوک اور تنگی کی جگہ خوش حالی نے لے لی تھی۔ وہ اس ملازمت کا مرہون و مشکور تھا۔ لیکن اب یہی ملازمت اسے وبالِ جان دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اس ملازمت کو ترک کرنا چاہتا تھا۔

اور ملازمت ترک کرنے کی سب سے بڑی وجہ تھی کہ اب وہ چاہتا تھا کہ اس کی بھی شادی ہو جائے۔ اب وہ گھر بسانے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ اس کے کان چوڑیوں کی آواز سننے کو ترس رہے تھے۔ اس کے گھر میں ایک حسین عورت انگڑائیاں لے کر بیدار ہو جائے وہ ریشمی آنچل کی ہوا لینے لگا۔ اس کا ذہن ریشمی ملبوسات کی سرسراہٹ پانے لگا۔ وہ خالی اوقات اور شب کی تنہائیوں میں عورت کے تصور سے کھیلنے لگا۔ اور وہ جہاں مقیم تھا وہاں میلوں تک عورت کا نام و نشان اور رنگ روپ تک نہ تھا۔

اور اب یہ خواب اس کے دل کو ویران بنانے لگے۔ اسے پریشان کرنے لگے اور اسے مایوس اور افسردہ بنانے لگے وہ کھویا کھویا سا رہنے لگا اور اس کا ذہنی توازن بگڑنے لگا۔

اس ذہنی کیفیت پر ایک بھرپور کاری ضرب لگی۔

گھر سے خط آیا تو اس نے خط کھولا ــــ اسے خط کا انتظار رہتا تھا۔ خط باپ کی طرف سے تھا اور انتہائی اندوہناک خبر لایا تھا۔ پھر تو ــــ رام دیال کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ خط کے الفاظ غلط معلوم ہوئے۔ اس کی بصارت نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے حواس جمع کر کے پورا خط پڑھا۔

بھولو مر گیا تھا ــــــ

رام دیال یہ جملہ پڑھ کر بچے کی طرح رونے لگا۔ اسے بھولو سے بےحد پیار تھا۔ سب بھائی بہنوں میں اسے بھولو عزیز ترین تھا۔ ہنستا کھیلتا معصوم بھولو جس کی شرارتوں سے رام دیال کو پیار تھا۔ وہ بھولو جو اس کے حصے کا کھانا چوری کر کے کھا جایا کرتا تھا۔ اور جب ماں بھولو کو پیٹنے کیلئے اٹھتی تو وہ ماں کو روک دیتا اور ہنس کر خالی پیٹ سو جاتا اور آج وہ معصوم بھولو مر گیا تھا۔

اس کے ساتھیوں نے جب اسے روتے دیکھا تو اسے تسلی دینا چاہی۔ رونے سے جب دل کا بوجھ اور غم ہلکا ہو گیا تو وہ کمانڈنگ افیسر سے ملا اور پندرہ روز کی چھٹی مانگی ــــــ

کمانڈنگ آفیسر نے اس کو تسلی آمیز الفاظ سنائے۔

"حوالدار تمہارے بھائی کی عمر کیا تھی ـــ؟"

"جناب تقریباً سات برس ـــ"

"سات برس ـــ" کمانڈنگ آفیسر کا چہرہ سرد پڑ گیا۔ "حوالدار رام دیال! میں تمہارے غم میں شریک ہوں، لیکن مجبور بھی ہوں۔ افسران اعلیٰ سے ہدایات موصول ہو چکی ہیں کہ چھٹیاں نہ دی جائیں۔"

"لیکن جناب! مجھے اس سے بےحد پیار تھا۔ میری بوڑھی ماں اور میرے بوڑھے باپ کا برا حال ہو گا۔ گھر میں میں ہی بڑا بیٹا ہوں۔"

"وہ درست ہے! لیکن تمہاری درخواست افسران اعلیٰ کو ہی بھجوا دوں تو میرا خیال نہیں کہ چھٹی منظور ہو ـــ"

"بہر صورت آپ کوشش کر دیکھئے جناب ـــ"

"ہاں یہ میں کر سکتا ہوں، تم درخواست چھوڑ جاؤ۔"

حوالدار رام دیال نے درخواست میز پر رکھی اور سیلوٹ کر کے واپس آ گیا۔

چار روز تک اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے

بھر تو گھومتا رہا۔ اس کی باتیں اور اس کی شرارتیں یاد کر کے وہ تنہائی میں بے اختیار رونے لگتا۔ اسے ماں باپ بہن بھائی بری طرح یاد آنے لگے اور یہ یادیں رونے پر مجبور کر دیتی۔

یہ غم ابھی ہلکا نہ ہوا تھا کہ اس خط ملنے کے پچھلے روز شام کو حکم ہوا کہ اگلی صبح انھیں تیار رہنا چاہیے۔ وہ ایک نامعلوم منزل کیلئے روانہ ہو رہے تھے رام دیال کا دل ڈوب گیا۔ اُسے چھٹی تو نہ مل سکتی تھی البتہ اب وہ موت کے قریب جا رہا تھا جس دن کیلئے اسے پیراشوٹ ٹریننگ دی گئی تھی۔ وہ دن آن پہونچا تھا۔

ہر کسی کے چہرے پر خوف اور دہشت پھیل گئی تھی۔ بظاہر وہ ایک دوسرے سے کچھ نہ بولتے تھے لیکن ان کی نظریں بتا رہی تھیں کہ وہ کیا کہنا چاہتے تھے۔ وہ جنگ میں صرف پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر شامل ہوئے تھے۔ وہ آزاد ملک کے سپاہی نہ تھے بلکہ غلام ملک کے سپاہی تھے۔ وہ وطن کی خاطر جنگ نہ لڑ رہے تھے بلکہ ذاتی مفاد کی خاطر جنگ لڑ رہے تھے۔

حوالدار رام دیال بجھے دل سے اپنی رہائش گاہ کی طرف چل دیا۔ ابھی وہ چند قدم گیا تھا کہ اُسے پیچھے سے کسی نے پکارا۔

حوالدار کلرک کمہ جی ہاتھ میں لفافہ پکڑے اسے پکار رہا تھا۔ رام دیال لوٹ کر اس کے پاس چلا گیا۔

"کیا ہے ــــ" رام دیال نے سوال کیا۔

"تمھارا تار ہے ــــ"

"تار ــــ" رام دیال نے سرد لہجے میں کہا۔ "کیا ہیڈ کوارٹر سے آیا ہے۔ میری چھٹی منظور ہو گئی ہے ــــ؟"

کمہ جی نے جواب نہ دیا۔ اس نے تار بڑھا دیا۔ رام دیال نے جلدی جلدی لفافہ چاک کیا اور تار کھول کر پڑھا۔

"کیا ہے حوالدار ــــ؟" حوالدار کمہ جی نے اسے خاموش پاکر سوال کیا۔ "کدھر سے آیا ہے تار ــــ؟"

"گھر سے —"

"کیسا ہے گھر کا لوگ —؟"

"میرا باپ مر گیا —" رام دیال نے انکشاف کیا۔

"اوگاڈ — یہ سن کر بہت افسوس ہوا۔"

رام دیال کی حالت متغیر ہو چکی تھی۔ ایک ہفتے کے اندر اندر یہ دوسری موت تھی۔ پہلے بھولو — اور اب باپ — لیکن یہ تار پڑھ کر وہ بچوں کی طرح رویا نہیں۔ وہ کمانڈنگ آفیسر کی طرف چلا گیا۔

کمانڈنگ آفیسر اپنے کمرے میں ہی تھا اس نے اندر جا کر سیلوٹ کیا۔

"یس —" کمانڈنگ آفیسر نے سوال کیا۔

جواب میں رام دیال نے تار میز پر رکھ دیا۔ کمانڈنگ آفیسر نے ایک ہی نگاہ میں تار پڑھ لیا اور نہایت دھیمی آواز میں بولا۔

"حوالدار! مجھے یہ جان کر بیحد افسوس ہوا —"

"مگر جناب! اب میرا گھر جانا بہت ضروری ہے —"

"ہاں! میں ابھی برگیڈ ہیڈ کوارٹر سے بات کرتا ہوں۔ تم اپنے کیمپ میں جاؤ — مجھے امید ہے تمھیں چھٹی مل جائے گی —"

"تھینک یو سر —" رام دیال نے سیلوٹ کیا اور کیمپ میں چلا گیا۔

اس کے ساتھیوں کو علم ہو چکا تھا۔ وہ باری باری آتے اور ضروری الفاظ میں اظہار افسوس کرتے۔

رات کے ساڑھے آٹھ بج گئے، لیکن رام دیال کیلئے کوئی خبر نہ آئی کمانڈنگ آفیسر نے برگیڈ ہیڈ کوارٹر فون کیا تھا یا نہیں۔ رام دیال کے دل میں شک اور شبہات جنم لینے لگے۔ اسے شب کے دس بجے تک یقین ہو گیا کہ اسے چھٹی نہ مل سکے گی۔

تمام شب اس نے بے چینی، اضطراب اور رونے میں بسر کی —

فوجی ڈسپلن ـــــ فوجی زندگی ـــــ اگر اس کا باپ مر گیا تھا تو اس لئے کہ اسے مرنا ہی تھا۔

باپ بنا کفن کے جلایا نہ جا سکتا تھا۔

بھولو بنا کفن کے دفنایا نہ جا سکتا تھا۔

وہ اس فوج میں صرف اس لئے بھرتی نہ ہوا تھا کہ اپنے بھائیوں کو تعلیم دے سکے، اپنی بہنوں کی شادی کر سکے، اپنے مکان پر سفیدی کرا سکے گرم پینٹ، گرم کوٹ اور اچھے کپڑے پہن سکے۔ وہ ہر ماہ اپنے گھر پیسے بھیج سکے۔ ـــــ وہ اس لئے بھی بھرتی ہوا تھا کہ اپنے مرے ہوئے باپ کیلئے کفن فراہم کر سکے، اس کی چتا کیلئے لکڑیاں خرید سکے ـــــ وہ جنگ میں اس لئے شریک ہوا تھا تاکہ روٹی کی جنگ جیت سکے، بھوک کی جنگ جیت سکے افلاس کی جنگ جیت سکے۔

وہ بھوک، ننگ، افلاس اور روٹی کی جنگ وقتی طور پر جیت گیا تھا۔
لیکن اس جنگ میں وہ ڈسپلن کی وجہ سے موت کی جنگ نہ جیت سکا۔

باپ مر گیا لیکن فوج جاپان سے لڑ رہی تھی۔

اسے چھٹی نہ مل سکی تھی وہ گھر نہ جا سکتا تھا ـــــ بھولو دفنا دیا گیا تھا۔ اس کا باپ نذر آتش کر دیا گیا تھا۔ پھر اس کی ضرورت کہاں آن پڑی تھی ـــــ بھولو کو دفنانے کیلئے پیسے کی ضرورت تھی ـــــ اس کے باپ کو نذر آتش کرنے کیلئے پیسے کی ضرورت تھی۔ اس کی موجودگی کی ضرورت نہ تھی۔

پیسے وہ باقاعدگی سے بھیج رہا تھا۔ اس پیسے سے کفن اور لکڑیاں خریدی گئی تھیں ـــــ پھر اگر اسے چھٹی نہ بھی ملی تو کیا ہوا۔

وہ ایک سپاہی تھا ـــــ اس نے پچھلے چند برسوں میں انسانوں کو مرتے دیکھا تھا۔ ان انسانوں کو جو گھر سے روٹی کی خاطر جنگ لڑنے آئے تھے۔ ایسے سپاہیوں کو مرتے دیکھ کر اس کے دل پر کچھ بھی اثر نہ ہوا تھا۔ ہنسنے کھیلنے جوانوں کا مر جانا اس کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی۔

پھر ایک معصوم بچے اور ایک بوڑھے شخص کیلئے وہ اتنا پریشان کیوں تھا ـــــ اس دنیا میں اپنا کون ہے اور پرایا کون ہے۔؟!!

اس کا باپ اپنا تھا۔ اس نے اسے پالا پوسا تھا ـــــ تو اس صورت میں بھگوان نے اسے روزی دی تھی۔ اس روزی سے اس نے خود کو ہی نہیں اپنے جملہ افراد کی پرورش کی تھی ـــــ وہ ـــــ ابھی قائم تھی ـــــ باپ مر گیا تھا۔ پھر کیا ہوا۔ ہر کسی کو ایک نہ ایک دن موت کے منہ میں جانا ہے۔

اگر وہ فوج میں بھرتی نہ ہوا ہوتا تو اس کی مالی حالت نہ سدھرتی اگر وہ باپ کی موت کے وقت گھر پر ہوتا اور بات کے آخری لمحات میں اس کے پاس ہوتا وہ تب بھی پریشان اور فکر مند ہوتا۔ اسے لکڑیوں، کفن اور رسومات کیلئے پریشان اور فکر مند ہونا پڑتا۔

آخر اس زندگی میں کون سی شے عزیز تھی ـــــ رام دیال سوچ رہا تھا باپ ـــــ یا ـــــ روٹی ـــ ـــ

والدین، بہن، بھائی قریب تھے یا روٹی ـــــ وہ باپ کے کندھے پر پڑے بوجھ کو ہلکا کرنے کیلئے فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ باپ سے زیادہ باپ پر پڑا بوجھ عزیز تھا۔

اقتصادی جنگ ان پر حاوی تھی۔ ایک روز وہ اسی لئے فوج میں بھرتی ہوا تھا کہ باپ نے اسے طعنہ دیا تھا کہ وہ پڑھ لکھ کر بھی روزی نہ کما سکتا تھا۔ اس نے طعنہ کا عوض ڈھونڈ لیا۔ اس نے روزی تلاش کرلی اور اب وہ روزی سے بدظن تھا اور باپ کے قریب ہونا چاہتا تھا۔ وہ باپ جس کا جسم اب دنیا میں نہ تھا۔ اگر اسے چھٹی مل بھی جائے تو وہ چار روز میں گھر پہنچے گا اور باپ کو مرے آج تیسرا دن تھا۔

باپ کی لاش کو نذر آتش کر دیا گیا ہوگا۔ اب تک پھول بھی چن لئے گئے ہوں گے۔ کریا کرم کی رسومات بھی اس کی غیر موجودگی میں ادا کر دی جائیں گی لیکن وہ اس وقت گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے غم کو بھائی بہنوں اور

ماں کے غم میں شریک کر دینا چاہتا تھا۔

اس کے تمام ساتھی سو رہے تھے۔

وہ بیدار تھا اور رو رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کے آگے بھولو اور باپ کی تصویریں گھوم رہی تھیں۔ وہ ان کی یاد میں رو رہا تھا۔ لیکن وہ اپنے گھر میں بیٹھ کر رونا چاہتا تھا۔

نہ معلوم شب کے کون سے پہر وہ تھک ہار کر سو گیا۔

ابھی وہ مشکل سے بظاہر چند منٹ سویا تھا کہ اُسے جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا گیا۔

غم اور رونے نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ اب وہ نیند بھی پوری نہ کر پایا تھا اس کا ساتھی اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

"کیا ـــ کیا میری چھٹی منظور ہو گئی ہے ـــ" دیال نے نیند کو جھٹکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"چھٹی!" اس کا ساتھی غرایا ـــ "ہم دس منٹ میں تیار ہو کر فال اِن ہو رہے ہیں۔"

"فال اِن ہو رہے ہیں ـــ" دیال نے بجھے دل سے کہا۔

"ہاں ـــ"

جنگ جاری تھی! جنگ جذبات کا احترام نہیں کرتی۔ ایک گھنٹہ بعد دیال طیارے میں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس کے تمام ساتھیوں کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ کوئی بھی بات نہ کر رہا تھا۔

پھر طیارے کا دروازہ کھل گیا۔

لیفٹیننٹ پی۔ ایس گل حکم جاری کر رہا تھا۔

ایک ایک کر کے سپاہی اٹھنے لگے۔ دروازے میں پہنچتے اور اپنے اپنے مذہب کی عقیدت کے مطابق نعرہ بلند کرتے اور باہر کود جاتے

رام دیال کا نمبر بھی آ گیا۔ وہ دروازے میں پہنچا۔ باہر کئی طیارے

اڑ رہے تھے اور پیراشوٹ ہی پیراشوٹ نظر آ رہے تھے۔

"Jump" لیفٹیننٹ گل چلایا۔

اب اسے کودنا تھا۔ اسے یہی سکھایا گیا تھا کہ ایک ـــــ دو ـــــ تین ـــــ چار ـــــ دس تک گنتی کرو۔ پھر خدا کا نام لو ـــــ اور ڈیڑھ سو میل کی رفتار سے چلتے ہوئے طیارے کے دروازے سے باہر چھلانگ لگا دو۔ پیراشوٹ ایک جھٹکے سے کھلے گا۔ ایک ایک رسی کھلے گی اور پیرا شوٹ میں ہوا بھر جائے گی۔ وہ نیچے ہی نیچے اترتا رہے گا۔ آہستہ آہستہ ـــــ اسے زمین پر ایک خاص انداز سے پاؤں رکھنے تھے۔ اور ہوا میں ایک خاص زاویے پر جسم کو رکھنا تھا۔ اگر ہوا کی رفتار تیز ہو تو پیراشوٹ کو کس طرح سنبھالنا تھا تاکہ وہ مقررہ جگہ سے آگے نہ نکل جائے۔ اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ چاروں طرف پیراشوٹ ہی پیراشوٹ تھے۔ ان کے ساتھ آدمی لٹک رہے تھے۔ سامان لٹک رہا تھا۔

لیفٹیننٹ نے اسے حکم دیا تھا کہ کود جاؤ۔

لیکن وہ دروازے میں کھڑا تھا۔

"حوالدار سنا نہیں! جمپ ـــــ" لیفٹیننٹ گل نے گرجدار آواز میں کہا۔

ڈسپلن ـــــ اسے کود جانا چاہئے۔ وہ اتنی دیر کیوں لگا رہا تھا ہوائی جہاز آگے نکل جائے گا تو اسے لوٹ کر آنا پڑیگا۔ ابھی ہوائی جہاز میں تین اور بیٹھے تھے انھیں بھی چھلانگ لگانا تھی۔

لیکن وہ کیا سوچ رہا تھا۔ بھولو ـــــ باپ ـــــ بھوک ـــــ افلاس ـــــ جنگ ـــــ اسے چھٹی کیوں نہیں ملی۔

"حوالدار جمپ ـــــ ورنہ میں گولی مار دوں گا ـــــ" لیفٹیننٹ گل نے جھلا کر کہا۔

گولی ـــــ رام دیال نے سوچا۔ لیفٹیننٹ گل کی کمر کے ساتھ سروس ریوالور بندھا تھا۔ اس میں چھ گولیاں تھیں۔ ۳۸ بور کی ـــــ صرف ایک

گولی اسے ختم کر دے گی۔

وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"یہ ڈیم فول ۔۔۔" گل کی آواز آئی۔ "اس کو پھینک دو ۔۔"

اسے پھینک دو ۔۔۔ رام دیال نے سوچا۔ لیکن .....

اسے کسی نے تھپ سے دھکا دیا۔ اور وہ طیارے سے باہر تھا۔ وہ پتھر کی طرح زمین کی طرف لپکا۔ لیکن چند گز بعد اسے ایک جھٹکا سا لگا اور پیراشوٹ کھلنے لگا۔ وہ ہوا میں تیرنے لگا۔ لیکن یہ کیا ۔۔۔ وہ دوسرے پیراشوٹرز سے زیادہ رفتار سے نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ ٹریننگ کے دوران جب بھی اس نے چھلانگ لگائی وہ آہستہ آہستہ اترتا تھا۔ آج یہ رفتار کیوں تیز ہو گئی تھی۔ اس کے پاس جو سپاہی پیراشوٹ سے اتر رہا تھا وہ اس کے اوپر تھا ۔۔۔ لیکن چند منٹ بعد وہ اس کے نیچے جا چکا تھا۔ اس کی رفتار سب سے زیادہ تیز تھی۔ اس نے آنکھیں اٹھا کر اپنے پیراشوٹ کو دیکھا۔

"او ۔۔۔ میرے خدا ۔۔۔" رام دیال کا سر گھوم گیا۔ پیراشوٹ کی ایک رسی ٹوٹی ہوئی تھی۔ اسی لئے پیراشوٹ پوری طرح کام نہ کر رہا تھا۔ اب اس کے ذہن نے سوچا اب کیا ہو گا جب زمین پر پہنچے گا تو کیا اس کے اس طرح گرنے سے اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹے گی ۔۔۔ یا ٹانگیں ٹوٹ جائیں گی۔ ریڑھ کی ہڈی ٹوٹنے سے وہ کسی کام کا نہ رہے گا حتیٰ کہ وہ شادی بھی نہ کر سکے گا۔ کمر کمان کی طرح ہو جائے گی اور وہ اپاہج بن کر رہ جائے گا۔ نہیں اسے ریڑھ کی ہڈی ہر صورت میں بچانا چاہیئے۔ اسے ایڑھیوں کے بل اترنا چاہیئے۔ اگر ٹانگیں ناکارہ ہو گئیں تو وہ ریڑھ کی ہڈی ٹوٹنے سے بہتر رہے گی۔ ایک ٹانگ یا دونوں ٹانگیں جانے سے وہ اتنا اپاہج نہ بنے گا۔ لیکن ریڑھ کی ہڈی چلے جانے سے تو وہ کسی کام کا نہ رہے گا۔ اور اگر سر کو چوٹ لگی ۔۔۔ نہیں نہیں وہ سر کو بھی بچائے گا۔

زمین قریب ہی قریب آ رہی تھی اور اس کی زندگی کا فیصلہ بھی قریب آ رہا تھا ۔۔۔ ٹانگیں ۔۔۔ یا ۔۔۔ ریڑھ کی ہڈی ۔۔۔ اسے فیصلہ کرنا تھا۔ ٹانگیں

——— اس نے فیصلہ کر لیا۔

وہ دھڑام سے زمین پر گرا۔ اس کی ٹانگوں میں ایک شدید درد اٹھا۔ پھر وہ لڑھکنے لگا۔ اسے پیراشوٹ کھینچ رہا تھا۔ "نہیں نہیں" ——— وہ چلایا۔ "میں ریڑھ کی ہڈی نہیں ٹوٹنے دوں گا ——— "نہیں نہیں ———"

اور رام دیال کی جنگ ختم ہو گئی۔ وہ میدان جنگ میں بے ہوش پڑا تھا۔ پیرا شوٹ سے ہوا خارج ہو رہی تھی اور اس نے لڑھکنا بند کر دیا تھا اور رام دیال کی جنگ اس طرح ختم ہو گئی

"ٹانگوں کو نقصان پہونچا ہی تھا لیکن اُس کے ساتھ ہی رام دیال نے دماغی توازن بھی کھو دیا تھا۔ اسے میدان جنگ سے کس نے اُٹھایا وہ ہسپتال کیسے پہونچا اسے کچھ علم نہ تھا۔

جب بھی اس پر دورہ پڑتا تو وہ چارپائی سے اُٹھ کر بھاگنے کی کوشش کرتا۔ یا وہ چلانے لگتا۔

"میں لیفٹیننٹ پی ایس گل ہوں ——— جمپ ——— ورنہ گولی مار دوں گا۔

بس یہ ایک جملہ وہ بولتا تھا پھر وہ بھاگنے کی کوشش کرتا تو اسے مضبوط بانہیں تابو میں کر لیتیں۔ زخمیوں کی تعداد اتنی تھی کہ فوجی ہسپتالوں میں سب سے پہلے انگریز افسروں کا علاج ہوتا تھا اس کے بعد انگریز سپاہیوں کا ——— پھر ہندوستانی افسروں کا نمبر آتا تھا۔ اور O.R. کا ——— انگریز برٹش اور انڈین ہسپتال الگ الگ تھے۔ ان ہزاروں زخمیوں میں ایک عام اور معمولی تعداد لدار کا مرگ کی تیمارداری کیا ہو سکتی تھی۔ وہ گولیوں سے چھلنی نہ ہوا تھا۔ وہ توپ کے گولے سے نہ اڑا تھا۔ وہ جلتے ہوئے ٹینک سے باہر نہ نکلا تھا۔ وہ تو کارگ تھا اور پیراشوٹ کی رسی ٹوٹنے سے ٹانگیں تڑوا بیٹھا تھا اور دماغی توازن کھو بیٹھا تھا۔ ان ہزاروں زخمیوں میں جو میدان جنگ

سے لائے گئے تھے ایک حوالدار کلرک کی وقعت ہی کیا تھی۔ لیکن ڈاکٹر جانتے تھے کہ اگر حوالدار کلرک رام دیال ٹانگیں کھو دیتا ہے تو اُسے تاعمر Disablity پنشن دینا پڑے گی۔ جب تک دماغی توازن کا علاج نہیں ہوتا۔ اُسے فوج میں رکھنا پڑے گا۔ ورنہ ایک بہت بڑی رقم معاوضہ کی صورت میں دینا پڑے گی۔ اسی لئے رام دیال کا علاج نہ محنت سے ہو رہا تھا اور نہ ہی اسے فالتو سمجھ کر نظر انداز کیا جا رہا تھا۔ لہٰذا اسے مکمل طور پر شفایاب ہونے میں کئی ماہ لگ گئے۔

وہ کئی ماہ مختلف ہسپتالوں میں رہا۔ حتیٰ کہ رام دیال کا دماغ کام کرنے لگا۔

"نرس! اب مجھے کس محاذ پر بھیجا جائے گا ـــــ" ایک دن رام دیال نے نرس سے پوچھا۔

"محاذ ـــــ" نرس مسکرائی۔ "اب محاذ کہاں رہا ہے ـــــ؟"

"کیا مطلب ـــــ"

"جنگ ختم ہوئے دو مہینے ہو گئے ہیں ـــــ"

"جاپان سے ـــــ"

"دونوں سے ـــــ یورپ کی جنگ مئی میں ختم ہو گئی ـــــ اور جاپان کی اگست میں ـــــ"

"اور میری زندگی سے یہ چند ماہ بالکل ہی گم ہو گئے۔ ان مہینوں میں مجھے پتہ ہی نہیں کیا ہوا ـــــ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میں ایک لمبی نیند سے بیدار ہوا ہوں۔ اس اثنا میں دنیا کتنی بدل گئی ہے۔"

"ہاں حوالدار! وہ نیند اب ختم ہو گئی ہے۔ تم پر ان تھک محنت

کی گئی ہے اور خدا کا شکر ہے کہ تم صحت یاب ہو گئے ہو ـــــ اب تو ریلیز شروع ہونے والا ہے ـــــ"

"ریلیز!" رام دیال خوش ہو کر بولا "اب میں گھر جا سکوں گا۔"

"تم ہی نہیں لاکھوں لوگ گھر چلے جائیں گے۔"

"اب یہ وردی تو نہ پہننی پڑے گی ـــــ؟"

"بالکل نہیں ـــــ"

"یہ سیلوٹ ـــــ یہ پریڈ ـــــ اب تو چھٹی مل جائے گی۔"

"کیوں نہیں۔ تم مستقل طور پر فوج کو خیرباد کہہ سکتے ہو۔"

رام دیال خوشی سے دیوانہ ہو اٹھا وہ اپنے ساتھی مریضوں سے مخاطب ہوا۔ "اب ہم گھر جائیں گے ـــــ گھر ـــــ کتنا پیارا لفظ ہے۔"

وہ اس حقیقت کو فراموش کر گیا کہ ایک دن تھا کہ وہ چمکتی وردی، بھاری بوٹ، اور پورے سامان سے کر آیا تھا۔ لیکن یہ پرانی بات تھی۔ ان دنوں شہری زندگی میں تو کمری نہ چلتی تھی۔ وہ مجبوری کی حالت میں فوج میں بھرتی ہوا تھا اور اس کے بھرتی ہونے کے ایک سال بعد ہی شہری زندگی میں ملازمتیں عام ہو گئی تھیں۔

وہ جس کام کی خاطر فوج میں بھرتی ہوا تھا وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تھا۔ ساہوکار کے پاس مکان گروی پڑا تھا اب وہ اس کا تھا اس کی بہن کی شادی ہو گئی تھی۔ چھوٹے بھائیوں میں ایک میٹرک پاس کر کے ملازم ہو چکا تھا۔ دوسری بہن کی شادی کی تیاری مکمل تھی۔ اور ان گزشتہ مہینوں میں جب اس نے یادداشت پر زور دیا تو معلوم کیا کہ کچھ تبدیل ہو گیا۔

رام دیال کا خیال تھا کہ فوجی افسران نے اس کے علاج میں ضرورت سے زیادہ محنت کی تھی۔ اگرچہ اس کا علاج صرف اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ Disability Pension نہ وصول کرے حکومت رام دیال کو تاحیات پنشن نہ دینا چاہتی تھی وہ Combatant نہ تھا Non Combatant کو پنشن دینا حکومت پر گراں گزرتا تھا۔

رام دیال کو پنشن کی فکر نہ تھی۔ وہ صرف اس بات پر خوش تھا کہ اب وہ گھر جا سکے گا۔ وہ نا سمجھ یہ سمجھ سکا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ہی فوج میں نوکری کرنے کا لطف ہے۔

بالآخر وہ دن آ گیا جب وہ میڈیکل Fitness لے کر اس شہر بھیج دیا گیا۔ جہاں پر اے سی سی کا ریکارڈ آفس تھا۔ اس کا حساب کتاب کیا گیا۔ جو تنخواہ باقی تھی وہ ادا کر دی گئی۔ چھٹیاں جو باقی تھیں ان کی تنخواہ دیدی گئی۔ بونس دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ بارہ گز سفید کپڑا اور ریلوے وارنٹ۔

رام دیال روپے لے کر سیدھا بازار بھاگا۔ اس نے ایک سلی سلائی سفید پتلون اور قمیض خریدی۔ چار روپے کیلئے نیا جوتا خریدا۔ بیرک میں پہونچ کر اس نے بھاری بوٹوں کو اسٹور میں پھینکا۔ بش شرٹ اور خاکی پتلون کو ٹرنک میں رکھا۔

برسوں کے بعد سفید کپڑے پہن کر وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔

"الوداع خاکی لباس ——— الوداع ———"

سامان باندھ کر وہ گاڑی کی روانگی کے وقت سے ایک گھنٹہ پہلے اسٹیشن جا پہونچا اور بے تابی سے گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔

وہ اس غم کو بھول گیا جس کی خاطر اتنے مہینے وہ ہسپتال میں رہا تھا ——— باپ اور بھولو کی موت! یہ باتیں اسے جان پڑتی تھیں جیسے پچھلے جنم کی ہوں۔ ہسپتال سے صحت یاب ہو کر اور فوجی زندگی سے چھٹکارا پا کر وہ خود کو ایک نئے جنم اور نئے جسم میں پا رہا تھا۔

گاڑی میں سوار ہوا تو اس کے ذہن میں گھر گھومنے لگا۔ ماں ——— بھائی بہن ——— اور اس گھر میں اب وہ خود ہوگا۔ اسے صبح اٹھانا نہ پڑے گا۔ وہ کئی ماہ تک مکمل آرام کرے گا۔ جی بھر کر سوئے گا۔ کام کی تلاش نہ کرے گا۔ اس کی جیب میں تین ہزار کا ڈرافٹ تھا۔

ایک اسٹیشن پر وہ پانی پینے اترا تو اس کے پاس سے ایک کیپٹن

گذرا۔ رام دیال نے فوراً ایڑیاں جوڑیں اور سیلوٹ کیا۔ کیپٹن نے اسے دیکھا۔
—— اور جب اسے سادہ باس میں پایا تو سمجھ گیا کہ یہ مال فوج سے نکالا ہے، لہٰذا ابھی تک ذہن میں سیلوٹ اور افسر گھوم رہے تھے۔ کیپٹن سکرا کر نکل گیا۔

"ہت تیرے کی —— " رام دیال بڑبڑایا۔ "نہ معلوم یہ عادت ابھی کب تک رہے گی —— اب وہ حوالدار نہ تھا —— بلکہ محض ایک شہری تھا۔

پھر وہی نظارہ تھا۔ اس بار پھر اس نے سالم تانگہ لیا۔ انھیں راستوں سے گذرا۔ لیکن اس بار اسے سادہ باس میں دیکھ کر لوگوں نے تعجب کا اظہار نہ کیا تھا وہ ایک عام مسافر تھا۔ پھر اس کی اپنی گلی آگئی —— اس کا دل دھڑکنے لگا۔ بچے اس بار بھی اس کے تانگے پر سوار ہو گئے۔ عورتیں گھروں سے باہر نکل آئیں۔

"ارے یہ تو دیالا ہے —— فوج سے لوٹ آیا ——"

تانگہ رک گیا۔ رام دیال نے نیچے اتر کر گہرا سانس لیا۔ اس کے چہرے پر دبی دبی سکراہٹ تھی۔ دل خوشی سے پھولا نہ سما رہا تھا۔ ساڑھے پانچ برس بعد وہ اس گھر میں رہنے کیلئے آگیا تھا۔ اب وہ یہاں مستقل رہے گا۔

اس کی ماں باہر نکلی تو رام دیال نے سکرا کر کہا۔ "ماں! میں لوٹ آیا ہوں۔" کہہ کر وہ ماں کی طرف بڑھا۔

"دیال —— میرے بیٹے ——" کہہ کر ماں نے اسے گلے لگا لیا اور دوسرے لمحے ماں زور زور سے رونے لگی۔

رام دیال کو اچانک خیال آیا کہ وہ باپ اور بھولو کی موت کے بعد پہلی بار گھر لوٹ رہا تھا۔ لہٰذا یہ خوشی کا مقام نہ تھا بلکہ سوگ منانے کا دن تھا۔ اس کی ہنسی غائب ہو گئی اور وہ بھی ماں کے ساتھ رونے لگا۔ عورتیں جمع ہو گئی تھیں۔ وہ بھی رونے لگیں۔

بڑی مشکل سے ماں بیٹے کو الگ کیا گیا۔ دونوں کو ڈھارس دی جانے لگی۔ بچے سہمے سہمے کھڑے تھے۔

بالآخر خود پر قابو پا کر اس نے تانگے سے اسباب اتار کر گھر کے اندر رکھا

تانگے والے کو پیسے دے کر رخصت کر دیا۔ رام دیال بھول گیا تھا کہ وہ گھر میں خوش خوش داخل نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا استقبال آنسوؤں سے کیا جائے گا۔ وہ بے فکری کی نیند نہ سو سکے گا۔ بلکہ رشتہ دار اور محلے کے لوگ کئی روز تک اس کے ہاں افسوس ظاہر کرنے آئیں گے۔ اور اسے اپنے چہرے کو آنسوؤں سے بھگونا ہوگا۔ اسے ایک غم زدہ رہنے اور بھائی کا کردار ادا کرنا تھا۔

دس پندرہ منٹ ہر شخص کے سامنے غم زدہ چہرہ پیش کر کے پھر دوسری باتیں کرنا تھیں۔ اب وہ گھر میں سب سے بڑا مرد تھا۔ اب اس کے کندھے پر ذمہ داریاں تھیں۔ وہ اس گھر میں آرام کی نیند سونے نہ آیا تھا۔ بلکہ ذمہ داریاں سنبھالنے آیا تھا۔

نوجی زندگی سخت تھی۔ اور برسوں کے بعد رام دیال اپنی نیند سونا چاہتا تھا لیکن وہ اپنے ساتھ قارون کا خزانہ نہ لایا تھا۔ جو بے فکری سے سو سکتا۔ ابھی چھوٹا بھائی بر سر روزگار نہ ہوا تھا۔ گھر میں وہ واحد تھا جو کما کر لا سکتا تھا۔

مشکل سے پندرہ روز وہ آرام سے باپ کی تعزیت کیلئے گھر رہا۔ اس عرصہ میں شیلا اور اس کا خاوند اس سے ملنے آئے۔ ضروری تھا کہ تعزیت کے لئے بہن بھائی کے پاس آئے۔ اور جب تک وہ لوگ رہے اس کی باقاعدہ خاطر مدارت کی جائے اور جب سسرال جائے تو اسے کچھ نہ کچھ دے کر وداع کیا جائے۔

پندرہ روز بعد باپ کی موت کی برسی تھی۔ رسومات ادا کی گئیں اور اگلے روز ماں نے شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔ لڑکی اس نے دیکھ رکھی تھی اور پسند کر رکھی تھی وہ صرف رام دیال کی آمد کی منتظر تھی اور خاوند کی برسی کی۔

برسی گذرنے سے سوگ ختم ہو گیا تھا۔ ماتم کی صف اٹھا دی گئی تھی۔ اور بیاہ کا چرچا شروع ہو گیا تھا۔

رام دیال تو اس دن کیلئے کئی بار پریشان ہوا تھا۔ اس کے ذہن میں چوڑیوں کی جھنکار بج اٹھی تھی۔ ریشمی بالوں کی سرسراہٹ نے اُسے بے چین کیا تھا۔ اور اب بھلا وہ دیر کیوں کرتا۔ بوڑھی ماں کے ـــــ باپ اور بھولو کے جلنے سے جو خلا گھر میں پیدا ہو گیا تھا اس کا پر کرنا ضروری تھا۔ ماں نے بیٹے کی منہ مانگی قیمت مانگی تھی۔ اور وہ اُسے مل گئی تھی۔ چار ہزار کی مالیت کا جہیز اور نقدی ـــــ پھر برہمنوں میں لڑکیاں سفید رنگ کی ہوتی ہی ہیں۔ اور رام دیال کو ایسی ہی لڑکی مل رہی تھی جو سفید رنگ کی ہی نہ تھی بلکہ چار جماعت بھی پڑھی تھی اور ہندی میں خط لکھ سکتی تھی۔

اور وہ دن آن پہنچا۔ ڈھولک پر گیت گائے جانے لگے ـــــ مٹھائیاں تیار ہونے لگیں۔ مہمانوں سے گھر بھر گیا۔ رشتہ دار مہمان بن کر آئے ـــــ اور لڑکے کی شادی پر جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے وہ کیا گیا ـــــ رام دیال گھوڑی پر سوار ہوا اور اُس کے ماتھے پر سہرا باندھ دیا گیا۔

گھر میں دلہن آ گئی۔ اور رام دیال کی زندگی میں پہلی بار خوشی اور مسرت نے جنم لے لیا۔ ایک بار وہ اس روز خوشی سے پاگل ہوا اٹھا تھا جس روز فوج میں حوالدار کلرک بھرتی ہوا تھا۔ اس کے بعد یہ دوسرا دن تھا جب وہ خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔

ملک کی آزادی کونے پر کھڑی تھی۔

گو کیپٹن لال چند کے وعدے اب پورے نہ ہو سکتے تھے۔ اسے بی۔ اے کی ڈگری نہ مل سکتی تھی۔ اگرچہ اس نے فوج میں چار برس بلکہ ساڑھے پانچ برس گذارے تھے۔ لیکن انگریز نے ایک بات کا پاس رکھا تھا کہ ملازمتوں کے سلسلے میں سابق فوجیوں کو ترجیح دی جاتی تھی۔ اور رام دیال کے پاس ساڑھے پانچ سال کا تجربہ تھا۔

اُسے آبائی شہر میں ملازمت مل سکتی تھی۔ لیکن دلی صرف تیس کوس دور تھی دلی میں جو ملازمت ملتی تھی وہ زیادہ پیسے لاتی تھی۔ یوں بھی ساڑھے پانچ برس گھر سے دور رہنے کے بعد اسے صرف ڈیڑھ ماہ میں احساس ہو گیا کہ وہ اب گھر سے دور ہی رہ سکتا تھا۔ ماں نے اسے روکنا چاہا تو رام دیال نے جواز پیش کیا کہ زیادہ تنخواہ ملنے سے وہ زیادہ رقم گھر بھیج دیا کرے گا۔ ماں کو اس کی ضد کے آگے جھکنا پڑا۔

حقیقت میں رام دیال اس چاند سی عورت کو پانے کے بعد علیحدگی چاہتا

تھا۔ دلی میں اسے کمیٹی میں کلرکی مل گئی۔ مکان ابھی سستے کرائے پر مل جاتے تھے۔ رام دیال کو ایک کمرہ ایک باورچی خانہ پچیس روپے ماہوار پر مل گیا۔

پہلے چند روز کیلئے اس نے بہن شیلا کو بلا لیا۔ لیکن شیلا ایک ماہ رہکر چلی گئی۔ زندگی گذرتی رہی۔

ملک آزاد ہو گیا۔ رام دیال کو ملک آزاد ہونے سے کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ نئے حاکم نئے قانون لئے۔ پہلے پہل تو کھدر دھاریوں نے ہر سرکاری ملازم کو انگریز کا پٹھو سمجھ کر حقیر اور ادنیٰ سمجھا۔ لیکن دو تین برس میں ہی جب انھوں نے دیکھا کہ کینہ پروری، بلیک، لوٹ، مار اور کھسوٹ کیلئے سرکاری ملازمین کے بنا کام نہیں چل سکتا تو انھوں نے سرکاری ملازمین سے سمجھوتہ کر لیا۔

جب ایک وزیر، اس کے رشتہ دار، احباب اور حواری، وطن پرستی اور قربانیوں کی قیمت حصول دولت، کوٹوں، پرمٹوں اور لائسنسوں کی شکل میں وصول کرنے لگے تو سکریٹری بھلا کیوں خاموش رہتے۔ وزیر ان کے ہاتھ میں کھلونا بن گئے سکریٹری کورپٹ ہوا تو ڈپٹی سکریٹری اور انڈر سکریٹری بھی نقش قدم پر چل نکلے ــــ ان افسران کے نیچے سپرنٹنڈنٹ یا سیکشن آفیسر تھے۔ ان کا نمبر آیا تو اسسٹنٹ اور کلرکوں نے بھی دھاندلی شروع کر دی۔ اور حکومت کے وہ محکمے جہاں عوام کا واسطہ پڑتا تھا۔ رشوت خوری کے سب سے بڑے اڈے بن گئے۔ ان کورپٹ سیاست دانوں نے تمام سرکاری مشینری کو کورپٹ بنا ڈالا۔ اور جو کورپٹ نہ تھا اس کا جینا حرام کر ڈالا۔ پھر وہ جو کیا جاتا ہے کہ رشوت خور انسان ایماندار کو برداشت نہیں کر سکتا لہذا سرکاری مشینری میں ایمانداری کا فقدان رہ گیا۔

ہر دفتر میں مہاتما گاندھی کی تصویر آویزاں تھی جس میں وہ ہاتھ کھول کر آشیرواد دیتے دکھلائے گئے تھے۔ سرکاری ملازمین نے مہاتما گاندھی کے اس اشارے کا مفہوم نکالا وہ یہ تھا کہ اگر کوئی شخص دو تین یا چار روپے رشوت دیتا تو کلرک اسے کہتا کہ "معاف کیجئے۔ مہاتما گاندھی کو دیکھئے ان کا اشارہ ہے کہ پانچ سے کم رشوت نہ لی جائے ــــ"

رام دیال میونسپل کمیٹی میں ملازم تھا۔ لیکن بچپن میں اسے مذہب کی تعلیم ملی

دی گئی تھی اسی لئے وہ رشوت سے دور تھا۔

گھر میں چاندی سی عورت تھی لیکن اس کے جسم پر ریشمی لباس نہ تھا۔ گو کانگریسیوں نے صرف یہ کہا تھا کہ کانگریسی سے رشوت نہ لو۔ انھوں نے یہ تو کہا نہ تھا کہ غیر کانگریسیوں سے نہ لو۔ کانگریسیوں نے تو خود سکھایا تھا کہ ناجائز کام کس طرح کرنا چاہئے اور رشوت کس طرح کھانی چاہئے۔

رام دیال ___ نظام کا ایک فرد تھا۔ اسے ایمانداری سے نفرت نہ ہو سکی۔ وہ خوف جو اس نے اس کے ذہن میں بچپن میں ڈالا تھا کہ کسی کا پیسہ نہیں دباتے چوری نہیں کرتے۔ رشوت نہیں لیتے۔ کانگریس کے راج میں نابُد ___ ہو گیا تھا۔ جب کسی کانگریسی کو ناجائز کام کرانا ہوتا تو وہ سرکاری افسر کو اپنے گھر بلا کر شراب اور رنڈی سے خاطر تواضع کرتا اور اسے سمجھاتا کہ ناجائز کام کس طرح کیا جائے۔ افسر کو اس کا حصہ دے دیا جاتا۔ افسر اگلے روز دفتر میں آکر کلرک یا اسسٹنٹ کو بتاتا کہ فلاں فائل کو کس طرح کرے یا کس طرح چڑھاتا ہے۔

اور اسی حمام میں سب ننگے ہو گئے۔ حتیٰ کہ ایسے ننگے ہو گئے کہ سرکاری ملازمین جائز کام کرنے سے جی چرانے لگے۔ ایک فائل ایک میز سے دوسری میز پر جو دو فٹ کے فاصلے پر ہوتی پہنچنے میں چند ماہ گزار دیتی۔ عوام کو جائز کام کرانے کیلئے بھی رشوت دینی پڑتی۔

آزادی ملے آٹھ برس گذر گئے۔

اس عرصہ میں رام دیال تین بچوں کا باپ بن گیا۔ دو لڑکے اور ایک لڑکی اور ان آٹھ برسوں میں رام دیال کی چاندی سی بیوی اب چاندی کی بیوی نہ رہی تھی بلکہ وہ پیتل کی طرح زرد رو ہو گئی تھی۔ غریبی، مفلسی اور بھوک نے اسے نچوڑ ڈالا تھا۔

تیسری نمایاں بات یہ تھی کہ وہ کلرک سے داروغہ صفائی بن گیا تھا جس کا مطلب تھا کہ اب اس کی بالائی آمدنی کے دو چنوں ذرائع پیدا ہو گئے تھے۔

انگریز کی حکومت کے دور میں رشوت رائج تھی۔ لیکن رشوت ڈاکہ زنی کی شکل اختیار کر سکی تھی۔ صرف وہ لوگ رشوت دیتے تھے جو ناجائز کام کرتے تھے۔ لیکن اب جائز کام کیلئے رشوت کا بازار گرم کر دیا گیا تھا۔ پھر انگریز کے دور حکومت میں رشوت خوروں کا ایک کردار ہوتا تھا۔ مثلاً ہر پولیس تھانہ میں ایک بکس رہتا تھا۔ پولیس کے ملازمین جانتے تھے کہ پولیس افسران اور کانسٹیبلوں کی تنخواہ زیادہ نہیں تھی۔ لہذا جو شخص رپورٹ درج کرانے جاتا اس سے رشوت لی جاتی اور وہ رشوت کی رقم تھانہ محرر یا تھانیدار کی جیب میں نہ جاتی بلکہ اس چوبی صندوق میں جمع ہو جاتی۔ اور جب کسی تھانیدار ہیڈ کانسٹیبل یا کانسٹیبل کی لڑکی یا لڑکے کی شادی ہوتی تو اُسے مدد کے طور پر دے دی جاتی۔ بھائی چارہ کی یہ تصویر رشوت خوروں میں شاید ہی نظر آسکتی ہے۔ آفیسر تبدیل ہو جائے ——— لیکن وہ جہاں جائے گا اس تھانے میں بھی چوبی صندوق ہوتا تھا۔

لیکن کانگریس نے رشوت اپنی ذات تک محدود کر دی تھی۔ ایسے ملازمین آفیسران کا حصہ ادا کر دیتے تھے۔ یا افسر اگر رشوت لیتا تو ماتحت ملازمین میں تقسیم کر دیتا۔ لیکن رام دیال کا محکمہ ایسے افسران سے پاک تھا۔ اس کے دفتر میں رشوت خوری کا کوئی معیار نہ تھا۔

ایک میڈیکل آفیسر تھا جس کے تحت چار سینٹری انسپکٹر اور ایک درجن سینٹری اسسٹنٹ تھے۔ ان ایک درجن سینٹری اسسٹنٹ میں سے ایک رام دیال بھی تھا۔

چونکہ سینٹری اسسٹنٹوں میں رقابت نے جنم لے لیا تھا اس لئے رشوت خوری کے تمام زریں اصولوں کی خلاف ورزی کی جارہی تھی۔ ایک درجن سینٹری اسسٹنٹوں کا اپنا اپنا علاقہ تھا۔ وہ انسپکٹر کو جو اب دہ تھے۔ اور انسپکٹر میڈیکل آفیسر کو۔

میڈیکل آفیسر آچار یہ رشوت خوری کے تمام آداب کو بالائے طاق رکھ

چکا تھا۔ اس نے ان آٹھ برسوں میں دو لاکھ کی مالیت کی کوٹھی بنالی تھی جو اس کی بیوی کے نام تھی۔ اس کے پاس دو دکانیں تھیں جو بیوی کے نام تھیں۔ اور اجاریہ کی بیوی کوئی کام نہ کرتی تھی۔ اسی لئے اس کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اجاریہ جب بھی کوئی بڑا ہاتھ مارتا تنہا ہی ڈکار جاتا۔ لیکن ماتحت انسپکٹر اور اسسٹنٹوں سے توقع رکھتا تھا کہ ہر ماہ اُسے اس کا حصہ نذر کرتے رہیں۔ اور رام دیال باغیوں میں شمار تھا۔ ڈاکٹر اجاریہ نے رام دیال کے فوری افسر انسپکٹر قیمت رائے سے دو تین بار اشارتاً کہا کہ رام دیال ماہانہ نہیں دے رہا ہے۔ انسپکٹر قیمت رائے نے اپنے دبے الفاظ میں اشارتاً رام دیال سے کہا۔ لیکن رام دیال نے تسلی بخش جواب نہ دیا بلکہ جو جواب دیا جاتا وہ ڈاکٹر اجاریہ تک پہنچا دیا جاتا تو ڈاکٹر اجاریہ رام دیال کو کسی نہ کسی بہانے معطل کر دیتا۔

"رام دیال تم ابھی بچے ہو ——— دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر نہیں کرتے اور پھر بھی حرام کا مال ہضم نہیں ہوتا۔"

"لیکن میں ایسا کام ہی نہیں کرتا ہوں ———" رام دیال نے چمک کر کہا۔

"اب ان باتوں کو چھوڑو۔ تم میرے ماتحت ہو۔ جن لوگوں سے تم ماہانہ لے رہے ہو انھیں میں بھی جانتا ہوں ———" قیمت رائے نے مشفقانہ لہجے میں کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ رشوت خوروں کا لہجہ ہمیشہ مشفقانہ ہوتا ہے انھیں کبھی غصہ نہیں آتا۔ اور رشوت خور کبھی آنکھ ملا کر بات نہیں کرتا ———"

"آپ جاکر دریافت کر سکتے ہیں ———" رام دیال نے جوش سے کہا۔

"عزیزم جوش کی ضرورت نہیں۔ اگر تم درست کہتے ہو تو میں تسلیم کر لیتا ہوں۔ اس صورت میں ڈاکٹر صاحب کیلئے آمدنی پیدا کرو۔"

"وہ کیوں کر ———"

"اب اتنے بھی نادان نہ بنو۔ تمھارے تحت کتنے خاک روب ہیں؟" انسپکٹر قیمت رائے نے سوال کیا۔

"اٹھارہ —"

"انھیں بائیس کردو —"

"لیکن میں بھرتی کرنے کا مجاز نہیں ہوں —" رام دیال نے کہا۔

"وہ سب کاغذی کارروائی ہے۔ میں دو چار روز میں چار خاکروبوں کی جگہیں پیدا کرتا ہوں اور تم انھیں پُر کر دینا۔ ایک خاکروب کو اسی روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ دو کی تنخواہ ڈاکٹر صاحب کو دے دینا۔ ایک میرے حصے میں اور ایک تمھارے حصے میں۔" انسپکٹر قیمت رائے نے معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔

"اور انھیں کہاں سے تنخواہ دیں گے —"

"حد ہو گئی۔ سمجھے نہیں۔"

"بالکل نہیں —" رام دیال نے واقعی نہ سمجھا تھا۔

"تو سنو! حاضری تم لگاتے ہو۔ چار خاکروبوں کی حاضری لگتی رہے تنخواہ انھیں ملتی رہے لیکن اُن کا وجود کوئی نہ ہو —" انسپکٹر قیمت رائے نے مسکرا کر کہا۔

"سمجھ گیا —"

"اور وہ بڈھی والوں سے کیا لے رہے ہو —؟"

"کچھ نہیں۔"

"تمھارے علاقے میں اٹھارہ ریڑھیاں ہیں۔ کلچے، چھولے، اور اسی قسم کی کھانے پینے کی اشیاء ان سے پانچ روپے ماہوار لو — دو تمھارے ایک میرا — اور دو ڈاکٹر صاحب کے — ڈاکٹر صاحب اسی برس دوسری کوٹھی بنانا چاہتے ہیں۔ بارہ سینٹری اسسٹنٹ ہیں۔ ہر سینٹری اسسٹنٹ تین سو روپے ماہوار ان کیلئے پیدا کرے تو چھتیس سو روپے ماہوار ہو جاتا ہے۔ ایک برس میں بیالیس تینتالیس ہزار بنتا ہے۔ اب ذرا ہمت سے کام کرو — سمجھ گئے تا — ان کے علاوہ حلوائی وغیرہ کی آمدنی تم نے لیا کرو — اور سنو تم نے مکان جائیداد بنائی ہے یا نہیں —"

انسپکٹر نے سوال کیا۔
"بالکل نہیں ــــ"
"تو کب بناؤ گے۔ یہ خود دار کمانے کے دن تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ جب تک کانگریسی ہیں فکر کی بات نہیں! ہر ممبر پندرہ بیس ہزار الیکشن پر خرچ کرکے ممبر بنتا ہے۔ اور ممبر کی تنخواہ ــــ مہینہ اور اب وہ پبلک کی خدمت نہیں کرتے ہیں۔ تمہیں سینٹری اسسٹنٹ بنے ایک برس ہونے کو آیا ہے اور تم نے ایک پیسے کا ڈاکٹر صاحب کو فائدہ نہیں پہونچایا۔ اس طرح کہیں میونسپل کمیٹی کا کام چلتا ہے ــــ" انسپکٹر قیمت رائے نے سمجھایا۔

رام دیال کے لئے یہ چار خاک ردبوں والی بات نئی تھی۔

"رام دیال! بس تم اشاروں پر چلتے رہو۔ چند برس میں وارے کے نیارے ہو جائیں گے۔ اب ان سیاست دانوں نے ٹھیکا نہیں لے رکھا کہ ان کی ہی اولاد کانونٹ اسکولوں میں پڑھے۔ کاروں میں گھومے اور اعلیٰ تعلیم کے لئے ہندوستان سے باہر کسی ملک میں جائیں ہم بھی ان کی طرح انسان ہیں کیا ہم نہیں چاہتے کہ ہماری اولاد اچھی اور صحت مند زندگی گذارے ــــ گندی، تاریک اور متعفن کوٹھریوں میں نہ رہے۔ بلکہ کشادہ مکان، کھلی آب و ہوا، ریڈیو، فرنیچر، قالین، آرائش ــــ کانگریسیوں میں یہی تو خوبی ہے وہ خود ناجائز طریقوں سے دولت سمیٹ رہے ہیں اور دوسرے جو سمیٹتے ہیں ــــ سمجھتے ــــ اور صحیح معنوں میں اسے ہی سوشلزم کہتے ہیں۔ یہ جو ایماندار بنے پھرتے ہیں۔ جو ہر وقت کانگریس کے مخالفت پر لنگر لنگوٹے کس کر تیار رہتے ہیں۔ یہ سوشلزم کیا لائیں گے۔ یہ تو صرف ایمانداری کے نعرے لگاتے رہیں گے۔ کتنے وزیر ہیں جو چار جماعت بھی نہیں پڑھے لیکن وزیر ہیں ــــ اور یہ ہے کانگریس کے سوشلزم کی صحیح تصویر۔ اس نظام میں ہر شخص ترقی کر سکتا ہے جو کرنا چاہتا ہو۔ جو ترقی کرنا ہی نہیں چاہتا صرف حکومت کو کوسنا جانتا ہے وہ سوشلزم کے معنی نہیں سمجھ سکتا ــــ" انسپکٹر

قیمت رائے سمجھا رہا تھا: "نو شلزم کے معنی ہیں رشوت کھاؤ ــــ لیکن مل کر کھاؤ۔ اپنا اپنا حصہ لو۔ اپنے حصے سے زیادہ نہ لو اور نہ ہی کم لو۔ دوسرے کے حصے کو ہڑپ کرنے کی کوشش نہ کرو ــــ کانگریس کہتی ہے ہمیں کھانے دو اور تم بھی کھاؤ۔ یعنی سب برابر ہیں ــــ"

"خوب ــــ" رام دیال مسکرانے پر مجبور ہو گیا: "لیکن انسپکٹر صاحب وہ لوگ کون تھے جنھوں نے آزادی کی خاطر پھانسی پر چڑھنا منظور کیا ــــ"

"کمال کی بات کرتے ہو بھئی۔ تمھیں تمھارے باپ نے پیدا کیا۔ پالا پوسا پڑھایا لکھایا ــــ اب اس کا مطلب ہے کہ جب وہ مرا تو تمھیں بھی اسی کے ساتھ مر جانا چاہئے تھا۔ ارے پگلے بھلا کوئی مرنے والے کے ساتھ مرتا ہے۔ مرنے والے کی یاد میں ہر سال اس کا شرادھ کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جو آزادی کی خاطر شہید ہوئے ہیں ان کے بت نصب کر دیئے جائیں گے۔ ان کے نام پر سڑکوں کے نام رکھ دیئے جائیں گے۔ ہر برس ان کی برسی منائی جاتی ہے اور یہی مرنے والے کے ساتھ اچھے لوگ کرتے ہیں ــــ ارے چھوڑو ان خشک باتوں کو۔ جیسے تم بچے ہو ــــ" قیمت رائے نے تھکے انداز میں کہا۔

رام دیال کا ذہن مفلوج ہو کر رہ گیا۔

رام دیال کے پڑوس میں ایک مفلوک الحال ادیب رہا کرتا تھا۔ اس کا تخلص راحت تھا۔ نہ معلوم اس نے اپنا تخلص راحت کیوں رکھا تھا اگرچہ آج تک اسے راحت نصیب نہ ہوئی تھی۔ کسی بھی شے میں۔ زندگی کے کسی بھی شعبے میں ــــ خیر سے تین لڑکوں کا باپ تھا ــــ لیکن لڑکے کیا تھے، غریب اور افلاس کا مجسمہ، اشتہار ــــ ہاں تعلیم میں بہت ہوشیار

تھے لیکن تعلیم میں ہوشیار ہونے سے بھلا کیا ہوتا ہے۔

اور دوسرا پڑوسی چندگی رام تھا جو کچہری میں ناظر تھا جو رشوت لینا دھرم سمجھتا تھا۔

چندگی رام کا بیٹا اپاہج تھا لیکن اس کے جسم پر ریشمی کپڑے ہوتے تھے۔ اس کی بیٹیاں کند ذہن سہی لیکن ان کے جسم پر سلک کے کپڑے تھے صبح ڈبل روٹی اور مکھن سے ناشتہ ہوتا تھا۔ اور یہ راحت صاحب جو مشکل سے ایک سو چالیس روپے ماہوار پا رہے تھے۔ ہر وقت انسانوں کے بلند کردار، اور اونچے خیالات، ایمانداری اور ایسی ہی روحانی باتوں پر فصیح لیکچر دیتے تھے۔ بھلا آج کی مادی دنیا میں ایسی باتوں سے ریڈیو نہیں خریدا جا سکتا، صوفہ نہیں خریدا جا سکتا۔ بجلی کے پنکھے نہیں خریدے جا سکتے۔ پھر زندگی یہاں ہی ختم نہیں ہو جاتی خدا پیسہ دے تو خریدنے کیلئے بازار میں کیا کچھ فروخت نہیں ہو سکتا۔ اب اپنی کانگریسی لیڈروں، وزیروں، ممبر پارلیمنٹ، ممبر اسمبلی کو لیجئے پہننے کو کھدر پہنتے ہیں۔ لیکن زندگی کی کون سی آرائش اور آرام کی شئے نہیں جو ان کی کوٹھیوں میں نہیں —— نوکر چاکر، کاریں، ائر کنڈیشنڈ، شراب، دولت، عورتیں —— کیا کچھ نہیں ہے۔

چندگی رام گلی میں پہنچا تو حسب معمول گلی کے مکین گھر کے اندر جگہ نہ ہونے سے چارپائیاں گلی میں بچھاتے تھے۔ چندگی رام کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اسے بچ بچ کر چلنے میں بڑی دشواری پیش آ رہی تھی۔ انگریزی زبان میں اس نے دو چار گالیاں بھی دیں کہ یہ کیا بدتمیزی ہے۔

اس کا پڑوسی راحت اپنی چارپائی پر بیٹھا تھا اور اس کے بچے سرکاری کھمبے کی روشنی میں پڑھ رہے تھے۔ راحت اور رام دیال سیاست پر تبصرہ کر رہے تھے۔

"آیئے چندگی رام جی آیئے۔ آج تو دیر کر دی۔" راحت نے چندگی رام کو دیکھتے ہوئے دعوت دی۔

"بس ذرا دیر ہوگئی" یہ کہہ کر چندگی رام اس کی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اس کے منہ سے سانس نکلی تو ہوا میں پھیل گئی۔

"چندگی رام جی آج تو لہر میں ہو ———" راحت نے دبے الفاظ میں کہا۔

چندگی رام کھو کھلی ہنسی ہنس پڑا "راحت کے راحت ہی رہیے ہیں ——— اب تم اپنا تکلف ——— ارے نہیں تخلص بدل ڈالو۔"

"ارے چندگی رام جی اب آخری عمر میں کیا بدل ڈالیں۔ ہم تو کانگریسی حکومت کو دعائیں دیتے ہیں۔ جس نے انسان کو انسان نہیں رہنے دیا۔ عورت کو ٹائپسٹ ——— کلرک اور نہ معلوم کیا کیا بنا ڈالا۔ لیکن عورت نہیں رہنے دیا۔"

"راحت تم بس قدامت پسند ہی نہیں ہو بلکہ اپنے اس ماحول سے نکلنے کی کوشش ہی نہیں کرو گے۔ ارے راحت یہ دنیا پیسے سے چلتی ہے ——— آج ———" چندگی رام نے ہچکی لی "دنیا میں جو بھی شے چلتی ہے اس کا پہیہ گول ہوتا ہے۔ اور زندگی کا پہیہ روپیہ ہے۔ اور وہ بھی گول ہے ———"

"لیکن نوٹ مستطیل ہوتے ہیں ———" رام دیال نے مسکرا کر کہا۔

"بس تم بھی اسی جگہ میں رہنا اور ملک میں کانگریس کا سوشلزم آجائے گا ———" چندگی رام نے لچک کر کہا۔

"یہ آج سوشلزم کا چکر کہاں سے آگیا۔ کیا بات ہے ——— !" راحت نے منہ قریب کر کے کہا "کیا آج موٹی مرغی کاٹی تھی۔ ؟"

چندگی رام کھوکھلی ہنسی ہنس پڑا "بس! بس تمہاری یہی باتیں پسند نہیں آتیں۔"

"واہ چندگی رام جی واہ ———" راحت نے ہنس کر کہا "یہ کانگریس کا سوشلزم ——— اس کا جواب نہیں! وزیر اعظم لکھ پتی کا بیٹا ——— ولایت کا تعلیم یافتہ ——— نوکروں اور گورنسوں کے ہاتھوں پلا ہوا گھر کی انگریزی قسم کا سوشلزم ہی آئے گا ———" راحت نے کہا۔

"ارے تم کیا جانو۔" چندگی رام نے اونچی آواز میں کہا۔ وہ پڑوسی آکر راحت کی چارپائی پر بیٹھ گئے تھے۔ چندگی رام اپنی اہمیت سمجھ گیا تھا۔ "کچھ لوگ حکومت کو کوسنا جانتے ہیں۔ اور بس! ان کا کام صرف کوسنا ہی ہے۔"

"یہ بات نہیں چندگی رام جی۔" راحت نے حلیمی سے کہا۔ "تاریخ کے اوراق چند سو صفحات پر مشتمل ہوتے ہیں اور وہ تاریخ ہزاروں برسوں کی کہانی ہوتی ہے۔ اب چندرگپت کو اگر پڑھا جائے تو اس کے دورِ حکومت میں کروڑوں انسان پیدا ہوئے ہوں گے اور مرے ہوں گے۔ ان میں غریب بھی ہوں گے اور رئیس بھی ہوں گے لیکن چندرگپت کے کام کے ساتھ کتنے کام چار پانچ صفحات میں درج ہیں۔ مشکل سے چار پانچ۔"

"چانکیہ ۔۔۔ سلوکس ۔۔۔ وغیرہ۔" رام دیال بول پڑا۔

"لیکن کانگریس کا نام تاریخ میں رہے گا۔" چندگی رام نے کہا۔

"جب تک کانگریس کی حکومت ہے۔" راحت نے کہا۔ "خیر! میں کانگریس اور اس کی حکومت کو نظر انداز کرتا ہوں۔ میں ذاتی کردار پر آتا ہوں۔ اس شہر میں ایسے ایسے ہوٹل ہیں جن کے کمرے یا سویٹ کا کرایہ چار سو روپیہ یومیہ ہے اور ایک آدمی کا ایک وقت کا کھانا چالیس روپئے میں خریدا جاتا ہے۔ سینکڑوں آدمی وہاں روز کھانا کھاتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کا تاریخ میں نام نہیں آسکتا کہ وہ اتنا قیمتی کھانا کھاتے ہیں۔ ہاں تاریخ میں ایک گھاس کی آدھی روٹی کا ذکر ہے جسے ایک بچے کیلئے بنایا تھا لیکن اسے بلی کھا گئی تھی۔"

"میں سمجھ گیا! تم رانا پرتاپ کا ذکر کر رہے ہو۔۔۔" رام دیال نے لقمہ دیا۔

"لیکن راحت یاد رکھو آج کے زمانے میں دولت کے سوا کچھ نہیں آج سب کچھ پیسہ ہے پیسہ۔"

چندگی رام کے بیٹے نے آکر کہا کہ ماں بلا رہی ہے۔ چندگی رام اجازت لے کر چلا گیا۔

"یہ رشوت خور ایک ہی بول بولتے ہیں۔" رام دیال نے ہنس کر کہا۔

"آج میرا انسپکٹر بھی مجھے کانگریس کے سوشلزم پر لیکچر دے رہا تھا بالکل ایسی ہی باتیں۔"

"ارے چھوڑو ان باتوں کو۔" کہہ کر راحت اُٹھا اور گھر کے اندر چلا گیا۔

"کیا باتیں ہو رہی تھیں ـ" راحت کی بیوی نے پوچھا۔

"وہی پرانی باتیں! چندگی رام کہہ رہا تھا کہ دولت کے بنا اس دنیا میں کچھ نہیں۔"

"ٹھیک ہی تو کہتا ہے ـ" بیوی نے کہا۔

"اسی لئے خدا نے ایک بیٹا دیا ہے وہ بھی اپاہج ـ" راحت نے آہستہ سے کہا۔ "تمھیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ وہ کھانے جو نقصان دہ ہوتے ہیں بڑے چٹ پٹے ہوتے ہیں۔ دولت جو ناجائز طریقے سے ملتی ہے چٹ پٹی ضرور ہوتی ہے لیکن ایک روز وہ معدے کو خراب کر دیتی ہے۔"

"آپ تو بس یہی کہتے رہیئے۔ چندگی رام کو دیکھئے! بچے کتنے اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ گھر میں صوفہ ہے، ریڈیو ہے۔ بجلی کے پنکھے ہیں۔ اور آپ کے لڑکوں کے پاس اچھے کپڑے بھی نہیں ـ"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ لیکن ایک دن تم بھی جان جاؤ گی کہ ایسی دولت سود کے ساتھ لوٹ جاتی ہے۔"

"نہ معلوم آپ کون سے یُگ کی باتیں کرتے ہیں۔ آج کے زمانے میں ایسی دولت والے سکھی ہی سکھی ہیں۔"

"شاید ـ" راحت نے آہستہ سے کہا اور گھر سے نکل کر گلی میں چلا گیا۔

رام دیال نہ جانے کس مٹی کا بنا تھا جو خود کو وقت کے ساتھ بدل نہ سکا۔

دولت کی اس بھوک نے جو اس کے چاروں طرف شعلوں کی طرح بھڑک رہی تھی کوئی اثر نہ کیا۔

وہ دفتر میں داخل ہوا تو انسپکٹر قیمت رائے اس کا منتظر تھا۔ دعا سلام ہوئی تو قیمت رائے نے کہا: "رام دیال مجھے بہت ضروری بات کرنا ہے میرے ساتھ آجاؤ ——"

دونوں کینٹین میں جا کر بیٹھ گئے: "تم کیا پی رہے ہو ——" قیمت رائے نے سوال کیا۔

"میں ایک کپ چائے پی لوں گا" رام دیال نے کہا۔

"میں کوکا کولا پیوں گا" قیمت رائے نے کہا: "میں نے تقریباً ایک ماہ ہوئے تمھیں کہا تھا کہ اجارہ صاحب کا کام کرنا ہے ——" قیمت رائے نے سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے کہا۔

"اور میں نے اس روز جواب دے دیا تھا ——" رام دیال نے آہستہ سے کہا۔

"ہوں ——" قیمت رائے نے سگریٹ کا کش لیا: "میں نہیں سمجھ سکا تمھیں کہیں اور نوکری نہ مل سکتی تھی"

"یہاں کیا برائی ہے؟"

"دیکھو رام دیال تم ابھی بچے ہو! تمھیں دولت کی قیمت معلوم نہیں کمانے کے چند روز ہوتے ہیں اور یہ دن بار بار نہیں آتے۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے تین بار پوچھا ہے کہ رام دیال کا کام تسلی بخش نہیں ہے"

"کام تسلی بخش نہیں یا میں نے ان کیلئے رشوت کا بازار گرم نہیں کیا ——" رام دیال نے اونچی آواز میں کہا۔

"آہستہ بولو۔ میں بہرا نہیں ہوں ——" قیمت رائے نے اونچی آواز میں کہا: "تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے" قیمت رائے نے پھر آواز دبائی: "رام دیال تم نے مذہبی تعلیم پائی ہے۔ لیکن یہ پاپ نہیں ہے۔ آخر وہ لوگ کیا کما نہیں رہے ہیں"

"لیکن انسپکٹر صاحب وہ لوگ رفیوجی ہیں۔"

"رفیوجی ـــ" قیمت رائے ہنسا۔ "ارے چند برس بعد ان رفیوجیوں کو دیکھنا۔ ان کی عالی شان کوٹھیاں اور کاریں ہوں گی۔ یہ جو آج سڑک پر ریڑھی لگاتے ہیں چند برس بعد بڑی بڑی دکانوں کے مالک ہوں گے۔"

"لیکن یہ ان کا اپنا مقدر ہے۔"

"مقدر ہے تو تم بھی اپنا مقدر ان کے مقدر کے ساتھ بنا دو۔ تم بھی چند برس بعد جائیداد کے مالک بن جاؤ۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتا۔ رشوت لینا پاپ ہے۔" رام دیال نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"اف او!" قیمت رائے جھلا پڑا۔ "نہ معلوم تم کون سے زمانے کی باتیں کر رہے ہو۔ ارے پاپ ہوتا ہو گا رام راج میں۔ اشوک راج یا اکبر راج میں ـــ یہ کانگریس راج ہے اور کانگریس سوشلزم لانا چاہتی ہے۔"

"مجھے اس روز کا لیکچر یاد ہے ـــ" رام دیال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کانگریس رشوت خوری کو سوشلزم کہتی ہے۔"

"تم مسکرا رہے ہو اور میں سنجیدہ ہوں۔ اگر تم نے وہ نہ کیا جو تمھیں کہا جا رہا ہے تو تمھیں شاید بعد ازاں پچھتانا پڑے۔"

"تو تم بھی دھمکی دے رہے ہو ـــ" رام دیال کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "میں عارضی ملازم نہیں ہوں اور میری فوجی ملازمت کا بہترین ریکارڈ ہے۔"

"اس ریکارڈ کو چاٹتے رہنا! یہ لوکل باڈی ہے سرکاری دفتر نہیں۔" قیمت رائے سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "اچھا ایسا کرو تم دفتر میں بیٹھ کر کلرکی کرو اور ہم کسی کلرک کو تمھاری جگہ تعینات کر دیتے ہیں۔"

"کیوں ـــ" رام دیال نے اسے ذاتی توہین سمجھا۔ "میں پوری ایمانداری اور محنت سے کام کر رہا ہوں۔"

"تمھاری محنت اور ایمانداری پہ کوئی شک نہیں کرتا۔ بات سیدھی

ہے کہ ڈاکٹر اچاریہ اپنے ماتحت ایسے داروغہ چاہتا ہے جو بالائی آمدنی لائیں۔ دوسرے الفاظ میں جس طرح ایماندار آدمی بے ایمان کو پسند نہیں کرتا اسی طرح بے ایمان آدمی ایماندار آدمی کو پسند نہیں کرتا یعنی رشوت کھانے والا شخص رشوت نہ کھانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

"میں مجبور ہوں —" رام دیال نے کہا۔

"یہ تمھارا آخری فیصلہ ہے؟" قیمت رائے نے سوال کیا۔

"ہاں۔"

"بہتر! تم اپنا برا بھلا سوچ سکتے ہو —" کہہ کر قیمت رائے کھڑا ہو گیا۔ "کوکا کولا کے پیسے دے دینا۔"

"نہیں! میں صرف اپنی چائے کے پیسے دوں گا۔"

انسپکٹر قیمت رائے کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ اس نے رام دیال پر قہر آلود نگاہ ڈالی۔ بات چار آنے کی نہ تھی لیکن قیمت رائے اپنے ماتحت داروغوں سے توقع رکھتا تھا کہ اسے چائے پانی پلائیں۔

رام دیال نے جواب میں انسپکٹر قیمت رائے پر قہر آلود نگاہ ڈالی اور دو آنے چائے کے دے کر کینٹین سے نکل گیا۔

سائیکل اٹھا کر وہ اپنے علاقے کے دورے پر چلا گیا۔

قیمت رائے ڈاکٹر اچاریہ کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس کے چہرہ سے غصہ ڈھل نہ سکا تھا۔

"مارننگ سر —"

"مارننگ —" اچاریہ نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا — "کیا خبر؟"

"سر! میں ابھی ابھی رام دیال سینیٹری اسسٹنٹ سے مل کر آ رہا ہوں۔"

"ہوں۔"

"وہ اپنی ضد پر قائم ہے کہتا ہے میں پاپ نہیں کروں گا۔"

"پاپ —" ڈاکٹر اچاریہ غرایا۔ "ایسا گدھا ادھر کمیٹی میں کدھر سے آجاتا ہے۔"

"وہ تو بڑ ھفنٹر بنا پھرتا ہے۔" قیمت رائے نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔ "میں اس کے ساتھ کینٹین میں بیٹھا تھا۔ میں نے کولا منگایا اس نے چائے اپنی چائے کے پیسے دے گیا اور میرے کولا کے نہیں۔"

"کیوں —" اچاریہ نے اونچے لہجے میں کہا۔

"کہنے لگا مجھے حرام کی آمدنی نہیں! اور میں تمھیں کولا نہیں پلا سکتا۔"

"یہ بات —" اچاریہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "اس کا دماغ ٹھیک کرنا پڑے گا۔"

"کہتا تھا کہ میں عارضی ملازم نہیں ہوں۔ میں نے اسے کہا تھا کہ تم دفتر میں کلرک کی کرسی سنبھال لو۔ جواب دیا کیا میرا کام تسلی بخش نہیں۔ — میں نے کہا ہے لیکن — میں ابھی کچھ نہ بولا تھا کہ بول پڑا — ڈاکٹر صاحب کیلئے بالائی آمدنی نہیں بناتا۔"

"اور — ایسا بولتا —" اچاریہ ابل پڑا۔ "انسپکٹر! اس کا دماغ ٹھیک کرو۔ اس پر جھوٹا مقدمہ بنا کر آج ہی اس کو چارج شیٹ دو۔"

"جی یہی کرنا پڑے گا —" انسپکٹر قیمت رائے کو یہی اجازت چاہیے تھی۔ "بس آپ کی اجازت کی ضرورت تھی میں اس کا دماغ درست کر دوں گا۔"

"کرو — کرو —" اچاریہ چلا کر بولا۔

شام کو رام دیال دفتر میں پہنچا۔ تو اس کے لیے چارج شیٹ تیار تھی۔ انسپکٹر قیمت رائے نے اس علاقے کا دورہ کیا تھا جس کا انچارج رام دیال تھا تو انسپکٹر قیمت رائے کو پتہ چلا کہ رام دیال گذشتہ تین روز سے دورے پر ہی نہیں گیا۔

"رام دیال نے چارج شیٹ پڑھی اور قہر آلود نگاہوں سے

قیمت والے کو دیکھا: "ہوں! تو تم سمجھتے ہو کہ میں اس چارج شیٹ اور بھوت سے ڈر جاؤں گا۔ خاک وہ بوں کی حاضری کس نے لگائی تھی۔ اچھا وہ خاکروب میرے حق میں گواہی دینے گے ۔" رام دیال نے جواب نہ دیا۔

"مجھے یوں دیکھ رہے ہو جیسے کھا جاؤ گے۔" انسپکٹر قیمت والے نے مسکرا کر کہا: "جو کچھ تم کو کہنا ہے لکھ کر کہو ۔"

"مجھے انگریزی آتی ہے، گھبراؤ نہیں! میں نے میٹرک فرسٹ ڈویژن میں پاس کی تھی اور پانچ برس فوج میں حوالدار کلرک رہا ہوں۔"

"ضرور رہے ہو گے۔ پہلے اس چارج شیٹ کا جواب تو دو۔" انسپکٹر قیمت والے نے مسکرا کر کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ تین اسسٹنٹ بیٹھے تھے۔ چھٹی کے بعد وہ باہر نکلے تو آپس میں بحث کرنے لگے۔ دو نے رام دیال کو سمجھایا کہ دریا میں رہ کر مگرمچھ سے دشمنی نہیں کرتے۔ اگر تم رشوت کے خلاف ہو تو دفتر میں بیٹھ کر کلرکی کرو۔ افسروں کے مونہہ نہیں لگا کرتے۔ تیسرے کی رائے تھی کہ یہ ناانصافی ہے لہذا رام دیال کو اس چارج شیٹ کا مونہہ توڑ جواب دینا چاہیے۔"

اسی ذہنی پریشانی میں رام دیال گھر پہنچا تو بیوی نے بتایا کہ بڑا لڑکا سخت بیمار ہے اور بخار سے تپ رہا ہے ڈاکٹر کو بلا لائیے۔"

"پاگل ہو گئی ہو۔ مہینے کے آخری دن ہیں، ڈاکٹر کی فیس کہاں سے آئے گی۔"

"تم چاہتے ہو یہ مر جائے ۔"

"میں نے کب کہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسے اٹھا کر ڈاکٹر کے ہاں لے جاؤ۔ وہ یہاں آنے کے دو تین روپے لے گا اور وہاں لے جانے سے دس بارہ آنے کی دوا سے کام چل جائے گا۔" رام دیال نے خلیمی سے کہا۔

"تو تم ہی لے جاؤ۔"

"میں تھکا ہوا ہوں۔ اور دفتر میں بھی آج بڑے افسر سے جھگڑا

ہو گیا ہے لہذا مجھے دق نہ کرو۔"

"میں نہیں سمجھتی آج کے زمانے میں اس ایمانداری کو کون سمجھتا ہے۔ چندگی رام کچہری میں ایک سو دس روپے پاتا ہے اور دو سو روپے ماہوار اوپر سے بنا لیتا ہے۔ ان کی بیوی کہتی ہے صفائی کے محکمہ کے داروغہ تو چار چار سو روپے کما لیتے ہیں ـــ" بیوی نے بچے کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "ہر وقت دھرم ایمانداری ـــ پاپ پن کا چکر پڑا ہے اور گھر کی حالت یہ ہے کہ مہینے کے آخری دن ہیں تو ڈاکٹر نہیں آسکتا ـــ آج شام بنئے نے چائے کا پیکٹ دینے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگا تائیس روپے پہلے ہی بل ہو چکا ہے۔"

"او خدا! تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ میں بے ایمانی کا پیسہ نہیں لا سکتا، نہیں لا سکتا ـــ یہ بچے بیماری سے مر جائیں، بنیا چائے کا پیکٹ نہیں دیتا تو میں چائے نہیں پیوں گا میں چائے کے بنا گزر کر لوں گا۔ آٹا نہیں ہے تو میں خالی پیٹ سو جاؤں گا لیکن مجھے نہیں علم کہ رشوت کیسے لی جاتی ہے۔" رام دیال نے اونچی آواز میں کہا اور گھر سے باہر نکل گیا۔

راحت دفتر سے آکر باہر گلی میں چارپائی بچھا رہا تھا۔ رام دیال کو دیکھا تو مسکرا پڑا۔ "آئیے پنڈت جی ـــ"

رام دیال اس کی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"کچھ پریشان دکھائی پڑتے ہو۔" راحت نے کہا۔

"دفتر میں چارج شیٹ ملی ہے۔ اور گھر میں بیٹا بیمار ہے۔ مہینے کے آخری دن ہیں اور بیوی کہتی ہے ڈاکٹر کو بلا لو ـــ" رام دیال نے گلہ آمیز لہجے میں کہا۔

"چارج شیٹ کس سلسلے میں مل گئی۔"

"ہمارا امیڈ بجلی آفیسر کوٹھی بنانا چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے ہر سیکٹری اسسٹنٹ کے ذمہ دو سو روپے ماہوار رشوت پیدا کرنے کو کہا ہے۔"

"اور تم نے انکار کر دیا ۔۔۔"

"صاف ۔۔۔"

"اور انھوں نے جھوٹا کیس بنا کر تمھیں چارج شیٹ دے دی ۔"

راحت نے سکرا کر کہا: "یہ ہے کانگریس راج ۔۔۔ جو ایماندار ملازم کو پسند نہیں کرتے۔ خیر! تم نے کیا سوچا ہے؟"

"میں اس کا جواب دوں گا۔ مونہہ توڑ۔ بلکہ جواب میں لکھ دوں گا کہ میڈیکل آفیسر اور انسپکٹر مجھ کو رشوت لینے کیلئے مجبور کرتے رہے ہیں میرے انکار پر یہ جھوٹا کیس بنایا گیا ہے۔" رام دیال نے سرخ ہو کر کہا۔

"رام دیال!" راحت نے گہرا سانس لیا اور لیٹ گیا۔ "تم تنہا اس نظام، سماج اور حکومت سے نہیں لڑ سکتے۔ رشوت خور کبھی ایماندار گوارہ نہیں کر سکتے۔ جس طرح تم ان سے نفرت کرتے ہو اسی طرح وہ بھی تم سے بیزار ہیں۔ اگر تم اپنے میڈیکل آفیسر، انسپکٹر اور اپنے لئے رشوت نہیں پیدا کر سکتے تو بہتر ہے کہ دفتر میں بیٹھ کر کلرکی کرو۔ وہ سب ایک ہیں تم سکریٹری کو رپورٹ کرو گے وہ میڈیکل آفیسر کے حق میں بولے گا سب اسسٹنٹ انسپکٹر تمھارے دشمن بن جائیں گے ۔"

"راحت! یہ تم کہہ رہے ہو، جو ایک ادیب ہو۔ جس کا فرض ہے کہ ظلم اور ناجائز دباؤ کے خلاف بغاوت کا علم بلند کرنا ۔۔۔" رام دیال نے اونچے لہجے میں کہا۔

"رام دیال جوش میں نہ آؤ۔ میری عمر اس وقت چالیس برس کی ہے میں نے ڈیڑھ برس کی جیل کاٹی ہے۔ آزادی کی خاطر ۔۔۔ ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کے جرم میں۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا۔ میں ایک ورکر تھا۔ ورکر ہی رہا۔ میرا باپ امیر نہ تھا۔ میں لیڈر نہیں بن سکتا آزادی ملنے کے بعد ہر رائے بہادر، خان بہادر، سردار بہادر، رئیس، جاگیردار کانگریسی بن گیا ہے اور کانگریس اسے الیکشن لڑنے کیلئے اسی لئے ٹکٹ دیتے ہیں کیونکہ وہ الیکشن پر روپیہ خرچ کر سکتا ہے، میں نہیں خرچ کر سکتا لہذا

مجھے ٹکٹ نہیں ملتا۔ چند برس بعد یہ رجواڑے اور جاگیردار جنھیں گدیوں سے اتار دیا گیا ہے یہ کانگریسی بن جائیں گے۔ وہ دن آئے گا کہ رجواڑے کانگریسی ہوں گے۔ کانگریس کے ٹکٹ پر ممبر پارلیمنٹ بنیں گے اور ممبر اسمبلی۔ تم اس نظام کو تنہا نہیں بدل سکتے۔ اگر تم نے اپنے میڈیکل آفیسر پہ الزام لگایا۔۔۔۔"

"یہ الزام نہیں حقیقت ہے ۔۔۔"

"میں جانتا ہوں، تم جانتے ہو، لیکن یہ الزام بن کر رہ جائے گا۔ وہ تم پر جھوٹے کیس تیار کر دیں گے۔ تم ان سے نہیں لڑ سکتے۔ اس نظام میں ایماندار، بے ایمان سے نہیں لڑ سکتا۔ آج بے ایمان رشوت خور طاقت ور ہے۔ کیونکہ ان کی اکثریت ہے اور ایمانداروں کی اقلیت ہے۔ تم لڑ لڑ کر لہو لہان ہو جاؤ گے۔ تمھارا سر پاش پاش ہو جائے گا لیکن تم ان رشوت خوروں کی دیلیز نہ توڑ سکو گے بہتر یہی ہے کہ ماحول اور حالات سے سمجھوتہ کر لو۔ سیکریٹری اسسٹنٹ نہ ہوا دفتر کے کلرک بن جاؤ۔ اپنی پوسٹ لیسے شخص کو دے دو جو رشوت کھا سکتا ہو اور میڈیکل آفیسر کیلئے رشوت پیدا کر سکتا ہو ۔۔۔" راحت نے بڑے تلخ الفاظ میں کہا۔ اس لہجہ میں تھکن ایک نہ معلوم درد، کرب، اور زمانے بھر کی تلخیاں تھیں۔

"تمھارا مطلب ہے کہ یہ نظام کبھی نہ بدلے گا۔ پہلے الیکشن پر کتنے ایماندار کانگریس کو چھوڑ کر الگ ہو گئے ہیں"۔

"دو برس بعد دوسرا الیکشن لڑا جائے گا۔ مزید ایماندار کانگریس سے علیحدگی اختیار کر لیں گے اور ان کی جگہ کانگریس میں ابن الوقت اور رشوت خور لوگ آ جائیں گے ۔۔۔" راحت نے تھکے انداز میں کہا۔

"تمھارا مطلب ہے ایماندار آدمی زندہ نہیں رہ سکتا"۔

"رہ سکتا ہے۔ جس طرح میں رہ رہا ہوں۔ وہ سامنے دیکھو ۔۔۔ سرکاری بجلی جل رہی ہے اور میرے بچے اس کی روشنی میں پڑھ رہے ہیں۔ کیونکہ میں مٹی کا تیل بچانا چاہتا ہوں ۔۔۔ اور میں آزادی کی خاطر ظلم کے خلاف جیل گیا تھا ۔۔۔" راحت نے بھاری آواز میں کہا۔

"ان بچوں کے بچے بھی اسی طرح سڑک پر نصب کھمبے تلے پڑھیں گے ۔" رام دیال نے کہا۔

"ہاں رام دیال! جس انقلاب کے خواب ہم نے دیکھے تھے۔ یہ وہ انقلاب نہ تھا۔ آزادی سے پہلے چند سرمایہ دار کانگریس کو مالی امداد دیتے تھے۔ اور آج یہ کانگریس ان کے قبضے میں ہے۔ جو وہ کہتے ہیں کانگریس وہی کرتی ہے۔"

"اور تم نے ہمت ہار دی! ظلم سے سمجھوتہ کر لیا۔"

"کرنا پڑا۔" راحت نے تھکی آواز میں کہا۔

"لیکن میں نہیں کروں گا ——— کبھی نہیں ———" رام دیال کے لہجے میں عزم تھا۔

"کیونکہ تم جوان ہو۔"

"شاید ———" رام دیال نے کہا اور اٹھ کر گھر کے اندر چلا گیا۔

تیسرا حصہ ۱۹۵۲ء

رام دیال ایمان دار آدمی تھا۔ اور ایماندار آدمی کسی قیمت پر خریدا نہیں جا سکتا۔ لہذا اس نے اس ظلم اور نظام سے لڑنا چاہا۔

ایک روز شام کو وہ گھر پہنچا تو راحت گلی میں ہی بیٹھا تھا۔

"آج بڑے خوش نظر آرہے ہو ———" راحت نے کہا۔

"ہاں۔" کہہ کر رام دیال اس کی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ "اس روز تم منع

کر رہے تھے کہ اس ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھاؤں! اور زندگی سے سمجھوتہ کر لوں۔"

"ہاں۔"

"اور میں نے ایسا نہیں کیا۔ آج انسپکٹر قیمت رائے رشوت لیتا ہوا رنگے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔"

"تم نے کرایا ہے۔"

"ہاں ——" رام دیال نے سرد لہجہ میں کہا۔ "میں اسپیشل پولیس اسٹیبلشمنٹ سے ملا۔ دس دس کے پانچ نوٹوں کے نمبر نوٹ ہوئے ان پر ایس۔ پی کے دستخط ہوئے۔ اور پلان مرتب کیا گیا۔ آج دن میں میں نے جیسے ہی وہ نوٹ اسے تھمائے۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے اسے رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا۔

"اور وہ اس وقت حوالات میں ہے اور تم خوش ہو۔"

"کیوں نہیں۔"

"رام دیال تم ابھی بچے ہو۔ بچے! کل صبح وہ ضمانت پر رہا ہو جائے گا۔ مقدمہ چلے گا۔ وکیل ہوں گے اور وہ بری ہو جائے گا۔"

"بری ——" رام دیال غرایا۔ "بری کیسے ہو جائے گا۔"

"اب تم سمجھتے ہو کہ انسپکٹر قیمت رائے کو میڈیکل آفیسر اس لئے نہیں بچائے گا کہ اس نے رشوت لی ہے۔ بلکہ اس لئے بچائے گا کہ اگر اس نے قیمت رائے کی مدد نہ کی تو قیمت رائے میڈیکل آفیسر کے راز فاش کر دے گا۔ رام دیال تم سمجھتے کیوں نہیں کہ وہ سب ایک ہیں۔ ان کی ایک برادری ہے اور تم تنہا ہو ——"

"لیکن میری گواہی پر اسے سزا ہو گی۔ تمہارا مطلب ہے کہ عدالت میں میری گواہی نہ ہو گی۔ یا میں بدل جاؤں گا۔"

"نہیں! میں ایسا نہیں کہتا ——"

"پھر وہ بری کیسے ہو جائے گا ——" رام دیال نے جوش میں کہا۔

"تمہاری کمیٹی کا پریذیڈنٹ کون ہے؟"

"ڈپٹی کمشنر ـــــ" رام دیال نے جواب دیا۔

"ڈپٹی کمشنر ـــــ !" راحت نے آہستہ سے کہا: "اور تمہارا خیال ہے کہ ڈپٹی کمشنر میڈیکل آفیسر اور انسپکٹر کی مدد نہ کرے گا۔"

"لیکن یہ صاف کیس ہے۔"

"رام دیال تم نادان ہو ـــ میں ـــ ایک ایسے قتل کا مقدمہ جانتا ہوں جس میں قاتل کے کپڑے جو عدالت کے مال خانے میں رکھے نکلوا کر ان سے خون کے داغ مٹا دیئے گئے اور بعد ازاں جانور کا خون لگا دیا گیا۔ جب اس خون کی رپورٹ منگائی گئی تو پتہ چلا کہ وہ بکرے کا خون تھا۔ لہٰذا قاتل بری کر دیا گیا۔"

"تم ـــــ تم ـــــ" رام دیال نے جوش میں کہا: "یاسیت کی تصویر ہو۔ تم خود انقلاب نہیں لا سکتے اور جو لانا چاہتے ہیں انھیں بازہی نہیں رکھتے ہو بلکہ انھیں بزدل بناتے ہو۔"

"میں بزدل نہیں ـــــ" راحت نے آہستہ سے کہا: "رشوت کھانا آسان ہے۔ چوری کرنا آسان ہے۔ ڈاکہ ڈالنا آسان ہے ـــ لیکن میں جس قسم کی زندگی گذار رہا ہوں یہ ایک بزدل نہیں گذار سکتا۔ رام دیال بھوک اور افلاس کو سینے سے لگانا اور اُف نہ کرنا بزدلی نہیں ہے۔ ایک بزدل نہیں کیا کرتا۔ جو قانون شکنی کرتے ہیں وہ بزدل ہوتے ہیں۔ جو زندگی سے سمجھوتہ کرتے ہیں اور زندگی گذارتے ہیں۔ دکھ سہتے ہیں۔ تکالیف برداشت کرتے ہیں خودکشی نہیں کرتے ـــــ وہ بزدل نہیں ہوتے۔"

رام دیال کو یہ باتیں پسند نہ آئیں لہٰذا وہ اٹھ کر اندر چلا گیا۔

دفتر میں سینیٹری اسسٹنٹ اور انسپکٹر رام دیال سے دور دور رہنے لگے۔ جیسے وہ اچھوت کی بیماری تھا اور اس سے بچ کر چلنا ضروری تھا۔ میڈیکل آفیسر اچانک یہ کا رویہ بدل گیا تھا۔

اگر رام دیال کنٹین میں جاتا تو جس میز پر بیٹھتا اس میز پر پہلے سے بیٹھے ہوئے اشخاص دو تین منٹ بعد ہی اُٹھ جاتے۔ وہ جہاں جاتا اگر لوگ

باتیں کر رہے ہوتے تو خاموش ہو جاتے۔

راحت نے جیسا کہا تھا وہی ہوا۔ انسپکٹر قیمت رائے اگلے روز ضمانت پر رہا ہو کر آگیا تھا۔ اور اب عدالت میں مقدمہ چل رہا تھا۔ قیمت رائے نے عدالت میں بیان دیا تھا کہ اس نے رام دیال کو پچاس روپے قرض دیئے تھے اور یہ رقم وہ تھی۔ اس کے حق میں دو انسپکٹر اور پانچ سینٹری اسسٹنٹوں نے عدالت میں گواہی دی کہ ان کی موجودگی میں رام دیال نے انسپکٹر قیمت رائے سے پچاس روپے قرض لئے تھے۔ بعد ازاں جب رام دیال کو تسلی بخش کام نہ کرنے پر چارج شیٹ دیا گیا تو اس کے جواب میں رام دیال نے رشوت کی جھوٹی شکایت کی۔

چھ ماہ مقدمہ چلتا رہا۔ رام دیال جب عدالت میں پیش ہوا تو قیمت رائے کے وکیل نے اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

مقدمہ کا فیصلہ ہو گیا۔

فاضل مجسٹریٹ نے انسپکٹر قیمت رائے کو باعزت بری کر دیا اور رام دیال کی گواہی کو جھوٹا قرار دیا۔

رام دیال نے یہ سنا تو اس کا دل ڈوب گیا۔ اس شام اس نے راحت سے اس کا ذکر کیا تو راحت نے دکھی آواز میں کہا۔

"میں جانتا تھا۔ رام دیال تم اس نظام سے نہیں لڑ سکتے۔ اس حمام میں سب ننگے ہیں مگر تم ننگے نہیں ہو سکتے تو حمام سے دور رہو جو ننگے ہیں اپنی ستر پوشی کی تلقین مت کرو۔"

"لیکن یہ صریحاً زیادتی ہے۔" رام دیال نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ بہت سے لوگ جانتے ہیں۔ لیکن خاموش ہیں۔" "اس لئے وہ بزدل ہیں اور ظلم برداشت کرتے رہیں گے لیکن احتجاج نہ بلند کریں گے۔"

"تم نے بلند کی لیکن کیا حاصل ہوا۔ انصاف بھی انھیں لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو اس حمام میں ننگے ہیں۔ ایک مجسٹریٹ اپنے ڈپٹی کمشنر کا حکم ملنے گا۔ ڈپٹی کمشنر کمیٹی کا سکریٹری میڈیکل آفیسر ایک کلب کے ممبر ہیں۔ وہ شام کو اکٹھے تاش کھیلتے ہیں۔ بیاہ شادیوں پہ قیمتی تحائف دیتے ہیں۔ شراب اکٹھے پیتے ہیں۔ جوا کھیلتے ہیں۔ اور تم ان کے نظام کو درہم برہم کرنا چاہتے ہو۔ ان کے اطوار زندگی رہن سہن۔ اٹھنا بیٹھنا۔ ایک سا ہے۔ ان کی زندگی کے ہر عمل میں مطابقت ہے۔ ان کے رشوت لینے کا طریقہ ایک سا ہے۔ اور تم اتنی بڑی برادری کو تن تنہا ختم کرنا چاہتے ہو۔ رام دیال میری باتیں کڑوی لگتی ہوں گی۔ لیکن میں حقائق سے چشم پوشی نہیں کر سکتا۔

"اور کانگریس رام راج لا رہی ہے ایک ایسا نظام جہاں دودھ کی ندیاں ہوں گی۔ جب کہ چائے کیلئے دودھ نہیں ملے گا۔ ہر شخص کو روزی میسر ہو گی۔ جبکہ ہزاروں لاکھوں نوجوان بے کار گھوم رہے ہیں۔ ہر کوئی چھت تلے ہو گا۔ جب کہ آج کی شب بھی شہر کی تمام پٹریاں انسانوں سے بھری ہوئی ہیں۔" رام دیال نے ترش لہجے میں کہا۔

"رام دیال بغاوت کبھی کسی تنہا آدمی نے پیدا نہیں کی۔ بغاوت کے لئے یا انقلاب کیلئے ایک تحریک کی ضرورت ہے۔ تمھیں ہزاروں ایماندار اشخاص کی ضرورت ہے جو تمھاری طرح رشوت اور بدنظمی کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور تم بھول رہے ہو کہ ایماندار آدمی مفلس اور غریب ہوتے ہیں اور کوئی بھی تحریک پیسے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ تم حالات سے سمجھوتہ کرو۔ یہ رشوت نہیں کھانا چاہتے تو نہ کھاؤ لیکن انھیں راحت کھو جو کھاتے ہیں اور نہ ہی ان کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرو۔" راحت نے تھکی آواز میں کہا۔

"مجسٹریٹ نے مجھے جھوٹا قرار دیا۔" رام دیال نے بھاری آواز میں کہا۔ "یہ سب جج اور مجسٹریٹ اندھے ہیں۔ میں ہوم منسٹر کو خط لکھوں گا کہ ڈاکٹر اچاریہ کی دولت کی جانچ پڑتال کرے۔ یہ کوٹھیاں اور کاریں

کیسے اور کہاں سے آئی ہیں۔"

راحت نے رام دیال کو دیکھا۔ رام دیال ایک شکست خوردہ انسان تھا بلکہ زخم خوردہ تھا۔ اس کی ایمانداری کو بے ایمان لوگوں نے شکست دی تھی۔ اسے وہ ذاتی توہین ہی نہ سمجھتا تھا بلکہ اپنے اصولوں کی تضحیک سمجھتا تھا۔ اسے بچپن سے ہی ایمانداری، پاپ اور پن نیکی اور بدی میں امتیاز بتایا گیا تھا۔ اسے تعلیم دی گئی تھی کہ رشوت کھانا پاپ ہے۔ اور اب وہ ان رشوت خوروں میں گھر کر رشوت خوری ختم کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی تعلیم کی کسوٹی پر اس سماج کو پرکھنا چاہتا تھا۔ جب کہ سماج اس تعلیم سے بے بہرہ تھا۔

راحت جانتا تھا کہ اس شکست کے بعد وہ مزید ایسے اقدام اُٹھائے گا جو اسے نقصان پہنچائیں گے۔ اس زخم کے مداوا کی خاطر وہ مزید زخم کھائے گا۔

"رام دیال تم اسے ذاتی توہین نہ سمجھو۔ یہ تمہاری توہین نہیں یہ نظام اور سماج کی بوسیدگی، غلط نمائی اور سازش کی فتح ہے۔ تم ہارے نہیں ہو صرف بے ایمانی جیتی ہے۔ تمہاری ایمانداری آج بھی مسلمہ ہے۔ ایک مجسٹریٹ کے انسپکٹر کو بری کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تم جھوٹے تھے۔ ایک منصف نے تمہیں جھوٹا کہا ہے لیکن میں جانتا ہوں تم جھوٹے نہیں۔ ہر ایماندار شخص تمہیں جھوٹا نہ کہے گا۔ ایک جھوٹے اور بے ایمان منصف نے اگر تمہیں جھوٹا کہا ہے تو تم جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ اگر ایک ایماندار منصف تمہیں جھوٹا کہتا تو دوسری بات تھی۔"

اسی لمحہ چندر گی رام کی بیٹی آئی۔

"چاچا! بابو ابھی تک نہیں آئے۔" اس نے راحت سے کہا۔

"آجائیں گے ابھی آٹھ بجے ہیں۔"

"لیکن آج ماں گھبرا رہی ہے۔"

"وہ کئی بار نو بجے آیا ہے۔" راحت نے کہا۔ "ماں سے کہو گھبرائے نہیں

دعوت میں چلا گیا ہوگا۔"
اسی لمحہ کچہری کا ایک کارندہ سائیکل پر آیا۔
"چندگی رام کا گھر کون سا ہے ـــــ"
"کہو! یہ اس کی بیٹی ہے ـــ" راحت نے کہا۔
"آج وہ رشوت لیتا ہوا رنگے ہاتھوں گرفتار ہو گیا ہے میں یہی اطلاع دینے آیا تھا ــــ" کارندے نے کہا۔
"او میرے خدا ــــ" راحت نے کہا۔
"آخر ایک روز یہی ہونا تھا ــــ" رام دیال نے دبے الفاظ میں کہا۔ "اب نیک کمائی اس مقدمے پر اُٹھ جائے گی اور سزا الگ ہوگی۔"
چندگی رام کی بیوی کو پتہ چلا تو وہ چیخنے چلانے لگی۔ گلی کی عورتیں جمع ہو کر اسے ڈھارس دے رہی تھیں۔ لیکن دبے الفاظ میں ایک دوسرے کو کہہ رہی تھیں۔
"اب سلک کے کپڑے اتر جائیں گے۔"
"صبح ڈبل روٹی مکھن کھاتے تھے۔
"تنخواہ ایک سو دس روپئے ماہوار ـــ مکھن اور ڈبل روٹی۔"
کچھ لوگ سلک پہن کر خوش ہوتے ہیں اور کچھ لوگ صرف اس بات پر خوش ہو جاتے ہیں کہ کسی کے سلک کے کپڑے اتر کیسے جاتے ہیں۔ آخر خوشی ہی تو ہے۔ انسان کو اس کی ضرورت ہے اور یہ مل ہی جاتی ہے۔

چندگی رام کی ضمانت کا انتظام تین روز کے بعد ہوا۔
جس روز چندگی رام ضمانت پر رہا ہو کر گھر آیا اسی روز رام دیال

دفتر میں داخل ہوا تو ایک طرف انسپکٹر قیمت رائے انسپکٹر ہری اور تین سینٹری اسسٹنٹ بیٹھے تھے۔ رام دیال کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں چمک دوڑ گئی۔

"بری ہونے کی خوشی میں پارٹی ضرور دوں گا۔" قیمت رائے نے اونچی آواز میں کہا۔ "لیکن ساتھ ہی دوسری پارٹی معطل ہونے اور پھر ملازمت سے برخاست کئے جانے کی خوشی میں بھی دوں گا۔"

رام دیال کا ماتھا ٹھنکا۔ یہ کون معطل ہو رہا ہے۔ اور کس کے ملازمت سے برخاست ہونے کی امید تھی۔

اس نے ان پر نگاہ ڈالی۔ پانچوں کے چہروں پر ایک عجیب قسم کی مسرت تھی۔ جو کمینے انسان کے چہرے پر کمینی حرکت کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب وہ لوگ تھے جنھوں نے انسپکٹر قیمت رائے کے حق میں گواہی دی تھی۔ رام دیال کے دل میں درد کی لہر اٹھی۔ اس درد میں شکست ہی نہ پنہاں تھی بلکہ نفرت بھی تھی۔ اس نے چاہا کہ جا کر قیمت رائے کا گریبان پکڑے لیکن وہ پانچ تھے۔ ان کے چہروں پر بکھری ہوئی فاتحانہ مسکراہٹ ایک طنز تھی، ایک چیلنج تھا۔ ایک شکست تھی ایک آوازہ تھا۔

رام دیال نے ان پر ایک حقارت آمیز نگاہ پھینکی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے عقب سے آواز آئی: "ایمانداری کی جے۔" رام دیال بل کھا کر رہ گیا۔ لیکن مجبور تھا۔

جب ہیڈ کلرک آفیسر کے کمرے کے آگے سے گزرا تو ڈاکٹر اچاریہ کے چپراسی نے کہا۔

"آپ کو صاحب بلاتے ہیں۔"

"ہوں ـــــ" کہہ کر ڈاکٹر اچاریہ کے کمرے کے اندر چلا گیا۔

"ارننگ سر ـــــ"

"ادھر تم ـــــ" ڈاکٹر اچاریہ نے ناک سکیڑ کر کہا: "اپنے ساتھیوں

پر جھوٹے کیس کرنے والے۔ پریسیڈنٹ کمیٹی کے حکم سے تمھیں ملازمت سے معطل کیا جاتا ہے۔ اپنا چارج انسپکٹر قیمت رائے کو دے دو۔ اس نقل پر دستخط کر دو۔ کل سے تمھاری انکوائری شروع ہو گی۔ میں اور سکریٹری اس انکوائری کمیٹی کے ممبر ہیں ــــ" کہہ کر ڈاکٹر اچاریہ نے معطلی کا کاغذ اصل اور نقل بڑھا دیئے۔

رام دیال کا ہاتھ کانپ رہا تھا: "سر! وہ کیس درست تھا قیمت رائے مجھے مجبور کر رہا تھا کہ میں رشوت لاؤں۔ اسے اور آپ کو ادا کروں۔"

"تم ــــ تم ــــ مجھے بے ایمان کہتے ہو ــــ" ڈاکٹر اچاریہ نے حلق پھاڑ کر کہا: "یہ کاغذ لو اور کمرے سے باہر نکل جاؤ۔"

"لیکن ــــ لیکن ــــ" رام دیال نے کانپتی آواز سے کہا: "میں سچ کہتا ہوں کہ قیمت رائے نے پچاس روپئے مجھ سے مانگے تھے۔"

"میں کچھ سننا نہیں چاہتا یہاں دستخط کر دو اور باہر نکل جاؤ جس روز انکوائری ہو گی تمھیں مطلع کر دیا جائے گا آ کر بیان دے دینا ــــ" ڈاکٹر اچاریہ گرجا۔

رام دیال نے نقل پر دستخط کئے اور اصل لے کر کمرے سے نکل گیا۔ اس نے جب قیمت رائے کو چارج دیا تو ہر کوئی اس کی کھلی اڑا رہا تھا۔ رام دیال خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

چھ ماہ وہ معطل رہا۔ نہ وہ دوسرا کام کر سکتا تھا۔ اور اس عرصہ میں اسے تنخواہ نہ ملی۔ گھر میں یکم کو تنخواہ آتی تو سودا سلف آتا اور پچیس تاریخ کے بعد ادھار آتا۔

ایک ماہ بنئے نے ادھار دیا۔ پھر اس نے بھی انکار کر دیا۔ گھر میں جمع ہی کیا تھا جو بیکاری میں کام آتا۔ ایک بار وہ آبائی شہر جا کر ماں سے سو روپے لایا۔ پھر ایک بھائی سے قرض لایا۔ یوں توں کر کے چھ ماہ گذرے اس عرصہ میں راحت اس کا حوصلہ بندھاتا اسے ڈھارس دیتا رہا۔

"میری اب بھی مانو ڈاکٹر اچاریہ سے معافی مانگ لو۔ تم بال بچے والے

شخص ہو۔ چھ ماہ میں ہی دیکھ لیا ہے۔ کہ اگر یہ ملازمت چلی گئی تو کہاں سے کھاؤ گے۔

"لیکن میں حق کیلئے لڑ رہا ہوں"۔ رام دیال نے بجھے دل سے کہا۔

"اور حق کہاں ہے۔ اس ڈاکٹر اچاریہ سے تم انصاف کی امید رکھتے ہو جس کی خاطر تم نے رشوت نہ لی۔ یقین کرو۔ وہ تمھیں ملازمت سے برطرف کر دیں گے جس روز تمھیں معطلی کا حکم نامہ ملا تھا اس روز تمھیں قیمت رام نے کہا تھا کہ پھر ملازمت سے برطرفی پروسری پارٹی دوں گا"۔

"لیکن یہ صریحاً ظلم ہے۔ زیادتی ہے۔ میں لڑوں گا۔ میں کل ہی ڈپٹی کمشنر سے ملوں گا جو ہماری کمیٹی کا پریذیڈنٹ بھی ہے"۔

"رام دیال تو نادان ہے۔ تم انصاف کی توقع رکھتے ہو۔ ان لوگوں سے جو انصاف کے خونی اور قاتل ہیں —— وہ میڈیکل آفیسر اور کمیٹی کے سکریٹری کی بات مانے گا ——"

"پھر اس آزاد ملک میں انصاف کہاں ہے۔ ایک ایماندار آدمی کو زندہ رہنے کی اجازت کیوں نہیں ——" رام دیال نے جھلا کر کہا۔

"رام دیال اپنی خاطر نہیں تو بچوں اور اپنی بیوی کی خاطر اس نظام سے سمجھوتہ کر لو۔

"سمجھوتہ ——" رام دیال کی زہریلی ہنسی ابھری۔ اپنی تعلیم اپنے خیالات اور وہ اقوال جن کی پوجا کی ہے انھیں قتل کر دوں میں تسلیم کر لوں کہ ایمانداری جرم ہے۔ رشوت کھانی تو اب کا کام ہے۔ ناجائز کام کرنا عظیم ہے۔ راحت میں ایسا نہیں کر سکتا —— میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں نے جو تعلیم پائی ہے اُسے بھلا نہیں سکتا —— نہیں —— نہیں ——"

"پھر انصاف کہاں ڈھونڈو گے"۔

"ڈپٹی کمشنر کے ہاں ——"

"اور وہ نہ ملا تو ——"

"تو ——" رام دیال یک لخت خاموش ہو گیا۔ وہ راحت کا چہرہ دیکھنے لگا —— "تو —— ہاں راحت اگر نہ ملا تو ——" اس نے مٹھیاں بھینچ

لیں۔ اس کی آنکھوں کی شکست کی جگہ انتقام کی آگ پیدا ہو گئی۔ اس کے تمام چہرے پر ایک لفظ لکھا ہوا تھا۔ انتقام ــــ انتقام ــــ اس سماج سے انتقام ــــ بے ایمانی اور رشوت خوری سے انتقام ـــ لیکن وہ کب تک اور کس کس سے لڑ سکتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس کی مٹھیاں کھلنے لگیں۔

"رام دیال جوش، جنون اور غصہ ان سے بچو۔ یہ ہمارے سب سے بڑے دشمن ہیں ــــ" راحت نے آہستہ سے کہا۔

رام دیال نے جواب نہ دیا۔ وہ سر جھکا کر گھر کے اندر چلا گیا۔

اگلے روز وہ دفتر پہونچا تو اسے میڈیکل آفیسر انچارج کے ملنے میں ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ آج اس انکوائری کا نتیجہ ملنا تھا۔

ایک گھنٹہ بعد اسے انچارج نے اندر بلایا اور دوسرے لمحے اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔

"انکوائری کمیٹی کے دونوں ممبران کے متفقہ فیصلہ کے بعد کہ رام دیال ناقابل اعتبار اور نا تسلی بخش ملازم ہے۔ افسران سے غلط سلوک روا رکھتا ہے۔ ہم عصر ملازمین کے خلاف جھوٹے کیس درج کراتا ہے۔ میں بحیثیت پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی رام دیال کو ملازمت سے برطرف کرتا ہوں اور سفارش کرتا ہوں کہ اسے سرکاری یا نیم سرکاری ملازمت نہ ملے۔"

نیچے ڈپٹی کمشنر کے دستخط تھے۔ جو کمیٹی کا صدر بھی تھا۔ تو دو منصفوں نے (ایک میڈیکل آفیسر اور دوسرا کمیٹی کا سکریٹری) نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا تھا۔

رام دیال دو منٹ سوچتا رہا پھر اس نے نگاہیں اٹھا کر ڈاکٹر اچاریہ پر پھینکی۔ رام دیال کی آنکھوں میں درد، کرب، بے بسی، مظلومیت فریاد اور التجا تھی۔

"سر! میں ایک غریب آدمی ہوں۔ بال بچے دار ہوں معافی مانگتا ہوں۔ آپ مجھے دفتر میں کلرک کی آسامی پر لگا دیں۔"

"تاکہ تم ان کی شکایتیں کرو۔" ڈاکٹر اچاریہ کے چہرے پر کمینگی اور فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

"نہیں! آئندہ ایسا نہ ہوگا۔ میں یقین دلاتا ہوں۔"

"میں مصروف ہوں۔ تم جا سکتے ہو ——" کہہ کر ڈاکٹر اچاریہ میز پر جھک کر فائل دیکھنے لگا۔

"صاحب! میں غریب آدمی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میری ماں ضعیف ہے۔ اور —— اور ——"

ڈاکٹر نے گھنٹی بجائی تو چپراسی اندر آ گیا۔

"اسے دھکے مار کر باہر کر دو ——" ڈاکٹر اچاریہ نے بھاری آواز میں کہا۔

چپراسی نے اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹا۔

"یہ ظلم ہے۔ بے انصافی ہے۔ میں غریب آدمی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ——" رام دیال چلا رہا تھا۔ اور چپراسی اسے کھینچ کر باہر لے گیا۔

"عقب سے ڈاکٹر اچاریہ کا فیصلہ بلند ہوا:" ایماندار ——" اور وہ جھک کر کام کرنے لگا۔

برآمدے میں انسپکٹر قیمت رائے اور پانچ اصحاب کھڑے تھے ان کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔ مسرت تھی۔ اور کمینگی ناچ رہی تھی رام دیال نے انھیں دیکھا اور گردن جھکائی۔ وہ آہستہ آہستہ بلڈنگ کے بڑے دروازے کی طرف بڑھا۔

اس کے عقب سے ہنسنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس ہنسی میں فتح تھی اور کاری ضربیں جو رام دیال کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح پڑ رہی تھی۔

وہاں سے نکل کر وہ ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی پر پہنچا۔ اس نے سکریٹری کو تمام بات سنائی اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔

"میں ایک غریب آدمی ہوں۔ میرے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔"

"وہ آج تو نہ مل سکیں گے۔ تم کل صبح سات بجے آ جاؤ۔ میں ملاقات کرا دوں گا۔" سکریٹری نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔" رام دیال کہہ کر چلا آیا۔

شام کو راحت سے ملاقات ہوئی تو راحت نے اس کا چہرہ پڑھ لیا۔

"آخر وہ جیت گئے۔"

"ہاں ــــ" رام دیال نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن میں کل ڈپٹی کمشنر سے مل رہا ہوں۔"

"اوہ ــــ" راحت نے کچھ نہ کہا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈپٹی کمشنر اپنے فیصلے کو تبدیل نہ کرے گا۔

اور وہی ہوا۔

اس نے جب ڈپٹی کمشنر کو بتایا کہ ڈاکٹر اچاریہ نے کس طرح رشوت کے پیسے سے ایک لاکھ سے زائد مالیت کی کوٹھی بنا رکھی ہے اور بیوی کے نام دو کاریں رکھی ہیں تو ڈپٹی کمشنر آپے سے باہر ہو گیا۔

"تم جا سکتے ہو۔ تم جیسا خطرناک آدمی سرکاری یا نیم سرکاری ملازمت کے اہل نہیں۔" ڈپٹی کمشنر نے کہا۔

رام دیال اس کی کوٹھی سے نکل آیا۔ اب ــــ! ؟ اس نے خود سے سوال

کیا۔ اس انصاف کی خاطر وہ یہاں آیا تھا۔ وہ ایک خطرناک آدمی تھا جو سرکاری یا نیم سرکاری ملازمت کے اہل نہ تھا۔ وہ ہار گیا تھا۔ یہ سب وہ بھیڑیے تھے جو بکری کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔

وہ سیدھا کمپنی کے دفتر چل دیا۔ آخری بار وہ حالات سے لڑنا چاہتا تھا۔ وہ دو ٹوک فیصلہ چاہتا تھا۔

ڈاکٹر اچاریہ اپنے کمرے میں تھا۔ ایک گھنٹہ انتظار کے بعد اسے اجازت ملی۔

"تم پھر —" اچاریہ چیخا۔

رام دیال نے ایک لفظ نہ کہا۔ اس نے جھک کر اس کے پاؤں پکڑ لیے "مجھے معاف کر دیجئے۔"

"سوائن —" کہہ کر اچاریہ نے اپنے پاؤں کھینچے تو بوٹ کی چوچ رام دیال کے ماتھے پر پڑی۔ وہ اس درد کو پی گیا — "اب ہوش آیا ہے۔ ابھی ابھی مجھے ڈپٹی کمشنر کا فون آیا ہے۔ تم اس سے کہنے گئے تھے کہ میں نے رشوت کے پیسے سے ایک کوٹھی بنائی ہے اور دوکانیں میری بیوی کے نام سے ہیں — ہا — تم سے پہلے تمہاری خبر پہنچ چکی ہے۔ تم کالی بھیڑ ہو نکل جاؤ۔ اس کمرے سے ورنہ چپراسی دھکے دے کر نکالے گا —"

"یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے —"

"گٹ آؤٹ —" اچاریہ گرجا۔

رام دیال سر جھکا کر کمرے سے نکلنے پر مجبور ہو گیا۔

"آج بڑے اداس نظر آ رہے ہو —" راحت نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور گردن ضرورت سے زیادہ جھکی ہوئی ہے۔"

"سب ختم ہو گیا۔ امید کی آخری سانس بھی ٹوٹ گئی۔"

"ڈپٹی کمشنر نے بڑا انصاف کیا ۔۔۔"

"میں ایک خطرناک آدمی ہوں اور سرکاری یا نیم سرکاری ملازمت کے اہل نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے میں خطرناک آدمی ہی نہیں ہوں اور سرکاری و نیم سرکاری ملازمت کے اہل ہی نہیں ہوں بلکہ اس دھرتی پر رہنے کے بھی اہل نہیں ہوں۔ میرا وجود ہی اس اہل نہیں کہ قائم رہے ۔۔۔" رام دیال نے تھکی آواز میں کہا۔

"اور تم نے ہمت ہار دی ۔۔۔" راحت نے آہستہ سے کہا۔

"اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے مجھے وہ دن یاد آرہا ہے جب میں نے زندگی میں پہلی بار ملازمت حاصل کی تھی۔ پندرہ روپے ماہوار تنخواہ اور پچیس روپے رشوت کے ادا کئے تھے۔ بنئے سے قرض لے کر مالک نے ایک ماہ اور کچھ دن کام کرا کے ملازمت سے برطرف کر دیا تھا۔ اس روز میں اتنا شکست خوردہ اور شرمندہ محسوس کر رہا تھا کہ گھر نہ جانا چاہتا تھا۔ شرم کی وجہ سے میری گردن نہ اٹھ رہی تھی اور آج جب میں نے میڈیکل آفیسر ڈاکٹر اچاریہ کے پاؤں پکڑے اور ملازمت کی بھیک مانگی تو اس نے میرے ماتھے پر بوٹ کی ٹھوکر مار دی۔ روٹی کے عوض بوٹ کی ٹھوکر ۔۔۔ آج ہر شخص میرا مذاق اڑاتا ہے۔ مجھ پر پھبتی کستا ہے۔ فقرے چست کرتا ہے آپس میں کنکھیوں سے اشارہ کرتے ہیں اور زیرِ لب پر معنی طور پر مسکرا دیتے ہیں جیسے میں انسان نہیں ہوں ایک تماشہ ہوں اور انھیں مجھ پر ہنسنے کا حق حاصل ہے ۔۔۔" رام دیال کے لہجے میں گلہ اور شکایت تھی۔

"لیکن رام دیال اس طرح دنیا سے لڑا نہیں کرتے۔ اب تم نے اس دفتر کو چھوڑ دیا ہے اور وہ لوگ تمھیں بازار میں کہاں مل کر آوازے کسیں گے ۔۔۔"

"دفتر چھوڑ دیا ہے ۔۔۔" رام دیال کھوکھلی ہنسی ہنسا۔ "خوب بہت خوب! راحت تم مجھے بچہ سمجھ کر بہلا رہے ہو۔ لیکن میں اب بچہ نہیں۔ میں اس روز بچہ تھا جس روز میں نے پچیس روپے رشوت کے دے کر

ملازمت حاصل کی تھی۔ میں اس روز بچہ تھا جس روز فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ ایک دلال نے مجھے پنڈت جی کہا۔ ایک کیپٹن نے میرے ساتھ وعدے کئے تھے جو حقیقت پر مبنی نہ تھے۔ اگر میں چار سال فوج میں رہا تو مجھے بی۔اے کی ڈگری مل جائے گی۔ لیکن اس کے علاوہ ان کے باقی وعدے سچے تھے کھانا مفت، سفر مفت، کپڑے مفت، دھوبی مفت ــــ لیکن ایک ایمان دار شخص کے منہ سے اگر یہ نظام روٹی چھین لے۔ اس کے بچوں کو بھوکا مارے۔ ایک عورت کو آدھے پیٹ روٹی دے تو اس نظام کو بدلنا پڑے گا ــــ"

"اور وہ تم بدلو گے ــــ" راحت نے آہستہ سے کہا۔

"میں بھی ہو سکتا ہوں راحت! آخر مجھ جیسے انسان ہی تو ہوتے ہیں جو انقلاب لاتے ہیں ــــ"

"اور تمھاری دانست میں وہ انقلاب کیوں کر آسکتا ہے؟"

"انتقام ــــ"

"انتقام ــــ" راحت نے تھکی آواز میں کہا "ایک شخص ــــ ایک ہستی ــــ ایک ذرہ صرف انتقام ہی تو لے سکتا ہے۔ لیکن رام دیال وہ تمھارا ذاتی معاملہ ہے۔ انتقام انسان ذاتی بنا لیتا ہے۔ لڑائی تمھاری سماج سے ہے۔ اس نظام سے اس ماحول سے جہاں آشوب خودی کینہ پروری، اقتدار، حصول دولت کی بھوک ہے۔ تمھارے انتقام کے قدم سے ایک آدھ شخص کچلا جا سکتا ہے۔ وہ بھی شاید ــــ لیکن ــــ لیکن اس سماج کو، اس نظام کو نہیں بدل سکتے۔ آخر تم کس کس سے انتقام لوگے ــــ اور کس قسم کا انتقام لوگے؟"

"میں ڈاکٹر اچاریہ، انسپکٹر قیمت رائے، سکریٹری کمیٹی، ان سب کو قتل کر دوں گا ــــ" رام دیال نے غصہ سے کہا۔

"پھر ــــ"

"پھر کیا۔ میرے انتقام کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی؟"

"کس طرح —"

"ان لوگوں نے میرے ساتھ بے انصافی کی ہے۔ میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔ میری روزی چھینی ہے —" رام دیال نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"سکریٹری انکوائری کمیٹی کا ممبر تھا۔ وہ بھی سزا کا مستحق ہے۔ لیکن اس ڈپٹی کمشنر نے جس نے تمہاری نوکری ختم کرنے والے خط پر دستخط کئے ہیں۔ وہ مجسٹریٹ جس نے انسپکٹر قیمت رائے کو بری کیا تھا۔ وہ گواہان جنہوں نے انسپکٹر قیمت رائے کو بچانے کیلئے جھوٹے بیان دیئے تھے۔ ان کے متعلق کیا سوچا ہے —" راحت نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"لیکن — لیکن — میں اتنے آدمی تنہا کیسے قتل کر سکوں گا۔"

رام دیال ہچکچا کر بولا۔

"پھر تمہارا انتقام تو نامکمل رہا۔" راحت نے کہا۔

رام دیال کا ذہن الجھ گیا۔

"اچھا تم ان تین اشخاص کو قتل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہو۔ میں یہ فرض کر لیتا ہوں۔ پھر کیا کرو گے ؟"

"پھر میں وہاں سے بھاگ جاؤں گا —"

"کہاں —"

"جدھر راستہ ملا —"

"پکڑے بھی جا سکتے ہو —"

"ہاں —"

"اور جانتے ہو۔ تین سرکاری افسروں کو ڈیوٹی دیتے ہوئے قتل کرنے کی سزا کیا ہو گی —"

"موت —" رام دیال نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"موت سے پہلے جو موت ہو گی —"

"کیا مطلب —"

"تمہیں، تمہاری بیوی، تمہارے بھائی پھانسی کے تختے پر چڑھتے

دیں گے۔ وہ وکیل کریں گے۔"

"ہاں ــــ"

"اور وکیل فیس لے گا۔"

"ضروری بات ہے۔"

"قتل کا مقدمہ لڑنے والا اچھا وکیل ہزار پندرہ سو سے کم نہ لے گا۔ اس کے بعد دیگر اخراجات ـــــ پھر ہائی کورٹ ـــــ وہاں بھی دو ڈھائی ہزار روپے اٹھ جائیں گے ـــــ کیا تمھارے لواحقین کے پاس اتنا روپیہ ہے؟" راحت نے آہستہ سے کہا۔

رام دیال خاموش رہا۔

"سوچ کیا رہے ہو۔ اتنی پریشانیاں اور مصائب منہ کھولے سامنے کھڑے ہیں اور تم نے یک لخت فیصلہ کر لیا کہ انتقام لو گے۔ اگر تمھیں پھانسی کی سزا ملی تو تمھاری بیوی کا کیا بنے گا۔ بچے کس طرح پرورش پائیں گے۔ کیا سماج انھیں ایک خونی ایک قاتل کے بچے نہ کہے گی ـــــ" راحت نے آہستہ سے کہا: "تمھارے ایک قدم اٹھانے سے کتنے گھر تباہ ہو جائیں گے۔ کتنے لوگ پریشان ہوں گے۔ رام دیال سمجھ سے کام لو۔ تمھارا گلا سماج اور نظام سے اس حکومت سے ہے جہاں رشوت جائز قرار دی گئی ہے۔ جہاں ایماندار لوگوں کو بیوقوف، گدھا سمجھا جاتا ہے۔ ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے، ٹھٹھا اڑایا جاتا ہے، ان پر پھبتی کسی جاتی ہے۔ تم انقلاب کی جگہ انتقام سے کام لے رہے ہو۔ یہ تمھاری ذاتی اور انفرادی عمل ہو گا۔ اس عمل سے تم نظام اور سماج کو نہیں بدل سکتے۔ ایک دو یا تین اشخاص کو قتل کر سکتے ہو۔ ان کی بھی بیویاں ہیں بچے ہیں۔ انھوں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے ـــــ تم اسے ذاتی توہین نہ سمجھو۔ یہ تمھاری تعلیم، اور تمھارے نذیر، اقبال، عظیم خیالات کی موت ہیں۔ یقین کرو ابھی اس ملک میں لوگ ایمانداروں کی پرستش کرتے ہیں۔"

اب تمھاری لڑائی اصول، قول کی تعلیم کی نہیں رہی۔ اب یہ روتی

کی لڑائی بن گئی ہے۔ روٹی جو گول ہوتی ہے ــــ تم آدھی روٹی کھاؤ۔ لیکن یہ قدم نہ اٹھاؤ۔ جانتے ہو امریکہ میں ڈبل روٹی ہوتی ہے۔ اس لئے وہاں انسان کو سزائے موت کیلئے۔ بجلی کی کرسی مہیا کی جاتی ہے۔ ڈبل روٹی مربع سی ہوتی ہے اور کرسی بھی مربع سی شکل کی ہوتی ہے۔ اگلے وقتوں میں لوگ جلادوں سے کام لیتے تھے کیونکہ باغی تلوار سے بغاوت کرتے تھے۔ فرانس میں Guillotine سے سزائے موت دی جاتی تھی جس طرح وہاں لوگ چھری سے ڈبل روٹی سے سلائس کاٹتے ہیں۔

اور ہندوستان میں روٹی کی بغاوت کیلئے سزائے موت پھانسی کی رو سے دی جاتی ہے۔ روٹی بھی گول ہوتی ہے اور پھانسی کا پھندہ بھی گول۔ دونوں میں کتنی مطابقت ہے۔ دونوں گول ہیں۔ لیکن برابر کے گول نہیں ہیں۔ روٹی حلق سے نیچے اتر جاتی ہے اور پھندہ حلق کو جیر کر رکھ دیتا ہے۔ روٹی کی جنگ آج سے تین صدیوں سے جاری ہے اور جاری رہے گی۔ لیکن اس کا علاج پھانسی کا پھندہ نہیں۔ تم اس کمرہ، گھناؤنے، گندے بدن، چیچک زدہ سماج کو ایک میڈیکل آفیسر ایک انسپکٹر ایک سکریٹری کے قتل کرنے سے خوبصورت نہیں بنا سکتے۔ انقلاب نہیں لا سکتے۔ تمہارے اس قدم سے اس ملک سے رشوت غائب نہ ہو جائے گی بلکہ جب تمہارے لواحقین عدالت میں انصاف کیلئے لڑیں گے تو ہر قدم پر رشوت دینا پڑے گی۔ تم حوالات میں ہوگے تو سگریٹ پینے کی خاطر رشوت دینا پڑے گی، بیوی سے ملاقات کیلئے رشوت دینا پڑے گی، بچے کو گلے لگانے کیلئے رشوت دینا پڑے گی۔ تم رشوت کو نیست و نابود کرنے جا رہے ہو اور اس کی خاطر ہر قدم پر رشوت ہی رشوت دیتے رہو گے ــــ"

"لیکن ذلت بھری زندگی سے موت بہتر ہے ــــ" رام دیال نے دبے الفاظ میں کہا۔

"نہیں! یہ تم نے فیصلہ کیا ہے۔ تم ــــ رام دیال تڑپا ــــ

جانتے نہیں ہو کہ بائبل میں کیا لکھا ہے ـــــ تو منصف نہ بن تیرا بھی انصاف ہوگا۔

آج تم رام دیال شرما ـــــ سابق حوالدار کلرک ـــــ اور سابق سینیٹری اسسٹنٹ یک لخت سیشن جج بن گئے ہو۔ تم نے ایک عدالت لگائی اور تمھارے کٹہرے میں میڈیکل آفیسر ڈاکٹر اچاریہ۔ انسپکٹر قیمت رائے ـــــ سکریٹری دین دیال ـــــ بحیثیت ملزم کھڑے ہیں۔ تم نے ایک مقدمہ سنا۔ اور سننے کے بعد فیصلہ دے دیا۔

میں رام دیال شرما ـــــ سیشن جج ـــــ تم ـــــ ملزم نمبر ایک میڈیکل آفیسر اچاریہ کو سزائے موت دیتا ہوں کیوں کہ تم نے مجھے رشوت دینے پر مجبور کیا اور میں تیار نہ ہوا۔

ملزم نمبر دو ـــــ انسپکٹر قیمت رائے ـــــ میں تم کو اس جرم پر سزائے موت دیتا ہوں کہ تم اس مقدمہ میں جھوٹے گواہ حاصل کر کے بری ہوگئے ہو۔ اس سے میرے انا کو ٹھوکر لگی اور تم میری پھبتی اڑاتے ہو۔

ملزم نمبر تین ـــــ دین دیال ـــــ میں تم کو اس لئے سزائے موت دیتا ہوں کہ تم انکوائری کمیٹی کے ممبر تھے اور تم نے مجھے نوکری سے برخاست کرادیا۔

اور اس سزائے موت کو میں خود اپنے ہاتھوں سے دوں گا تاکہ تمھیں اور اس نظام کو عبرت حاصل ہو اور آئندہ ایماندار آدمی کو رشوت خوری پر مجبور نہ کیا جائے۔

یہ ہے وہ فیصلہ جو تم نے بحیثیت سیشن جج کے دے دیا ہے۔ لیکن تم سوچتے کیوں نہیں کہ یہاں انصاف ہے کہاں۔ ایک مجسٹریٹ نے جھوٹے گواہوں کو سن کر انسپکٹر رائے کو بری کر دیا۔ ایک انکوائری کے دو ممبروں نے فیصلہ کیا کہ تم سرکاری یا نیم سرکاری ملازمت کے اہل نہیں۔ ایک ڈپٹی کمشنر نے فیصلہ کر دیا کہ تم ایک خطرناک شخص ہو۔ فیصلے غلط ہیں اور اس کے ساتھ ہی تمھارا فیصلہ بھی غلط ہے کہ ڈاکٹر اچاریہ، انسپکٹر اور سکریٹری کو سزا

موت سنا دی جائے۔

تم چند منٹ کیلئے جج بن کر فیصلہ سنا رہے ہو گے۔ وہ لوگ زندگی کی بھیک مانگ رہے ہوں گے۔ تم گرج کر کہو گے اب بتاؤ —— اب کیوں آنکھیں نقلی ہیں۔ اب کیوں معافی مانگ رہے ہو۔ تمھارے ہاتھ میں چاقو ہو چکا —— اور تم سیشن جج کے بعد جلاد کا فرض انجام دو گے۔ سیشن جج سے فوراً جلاد بن جاؤ گے اور چاقو ڈاکٹر کے سینے میں اتار دو گے۔ پھر ایک فاتح کی طرح للکارو گے —— ہے کوئی جو میرے خلاف بولنے کی جرأت کر سکتا ہے لیکن ایک منٹ —— دو منٹ —— کوئی نہ بولے گا۔ پھر تم بھاگنے کی کوشش کرو گے۔ کامیاب ہوئے تو اتنا بھاگو گے کہ بھاگ بھاگ کر تھک جاؤ گے۔ اور ایک روز خود کو پولیس اور قانون کے حوالے کر دو گے۔ اگر بھاگنے میں کامیاب نہ ہوئے تو لوگ تمھیں پکڑ لیں گے —— رام دیال انفرادی انقلاب نہیں لایا کرتا۔ لہٰذا اس فیصلے کو بدل ڈالو —— اور ملازمت کی تلاش کرو —— "

لیکن رام دیال نے فیصلہ نہ بدلا۔

دفتر کے اوقات دس بجے سے پانچ بجے شام تک تھے۔ لیکن اس آزاد ملک کے ہر کورپٹ آفیسر کی طرح ڈاکٹر اچاریہ سوا گیارہ بجے دفتر میں داخل ہوا۔ اس نے چپراسی کو سگریٹ لانے کا حکم دیا دوسرے لمحے رام دیال کمرے کے اندر تھا۔

"تم —— تم پھر آ گئے ہو۔ باہر نکل جاؤ ورنہ دھکے دے کر نکلوا دونگا۔" ڈاکٹر اچاریہ گرجا۔

"آج نہیں ——" رام دیال مسکرایا۔ "وہ کل تھا جب میں نے

روزی کی بھیک مانگی تھی۔ اپنے بچوں کی خاطر گڑگڑایا تھا۔ تمہارے پاؤں پکڑے تھے اور روٹی مانگی تھی ــــ اور تم نے ــــ بوٹ کی ٹھوکر ماری تھی۔"

"تو اب کیا کرنے آئے ہو ــــ" اچاریہ سنبھل کر بولا۔ آخری لمحات میں انسان ہمیشہ کمزور ہو جاتا ہے۔

"آج تم بھیک مانگو گے۔ زندگی کی بھیک ــــ تم گڑگڑاؤ گے۔ منت کرو گے۔ ہاتھ جوڑو گے۔ میرے پاؤں پڑو گے ــــ" کہہ کر رام دیال نے چاقو نکال لیا۔

"رام دیال ــــ رام ــــ" ڈاکٹر اچاریہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بید کی طرح لرز رہا تھا۔ "رام دیال پاگل نہ بنو ــــ تمہیں نوکری چاہئے میں ــــ میں ــــ ابھی آرڈر دیتا ہوں ــــ"

"اب تمہارا قلم کام نہ کرے گا۔ زندگی کی بھیک مانگو ــــ میرے پاؤں پڑو ــــ"

ڈاکٹر اچاریہ بھاری جسم کا آدمی موت کو دیکھ کر پسینہ میں نہانے لگا۔ "میں معافی مانگتا ہوں ــــ" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ پھر اس کے پاؤں میں گر پڑا اور بچوں کی طرح رونے لگا۔ "رام دیال میرے بچے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے ــــ"

"اور ان کے رہنے کیلئے ایک لاکھ کی کوٹھی ہے۔ دو کاریں ہیں ــــ اور ہزاروں روپیہ نقد ہے ــــ لیکن میرے بعد میرے بچوں کو سر چھپانے کی بھی جگہ نہ ملے گی ــــ کھڑے ہو جاؤ ــــ" رام دیال نے گرج کر کہا۔

ڈاکٹر اچاریہ کانپتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"اب تم خدا کا نام نہ لینا ــــ رشوت خور ــــ مجھے ابھی قیمت راشن اور دین دیال کو ختم کرنا ہے ــــ" کہہ کر اس نے پہلا وار کیا۔

"ہائے مر گیا ــــ بچاؤ ــــ"

"تمہاری آواز کوئی نہیں سنے گا۔ دروازے بند ہیں۔ اور افسروں کے کمرے Sound Proof ہوتے ہیں ــــ" رام دیال نے ین

وار کئے اور ڈاکٹر اجاریہ کو فرش پر تڑپتا ہوا چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا۔

تحقہ کمرے میں انسپکٹر اور سینٹری اسسٹنٹ بیٹھے تھے۔ اس نے کمرے میں کھڑے ہو کر جائزہ لیا۔ قیمت رائے کے ساتھ تین اشخاص تھے۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ ایک شخص کی نگاہ اٹھی۔ اس نے رام دیال کے ہاتھ میں خون آلود چاقو دیکھا تو چلا پڑا۔

"بھاگو —— بھاگو ——" اور وہ کھڑکی کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

موت انسان کے پاؤں ہی نہیں اس کی زندگی ساکن اور منجمد کر دیتی ہے اور اسے اس جگہ لیجاتی ہے جہاں موت اس کی منتظر ہوتی ہے۔

قیمت رائے اس کو پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اس کے قدم جم کر رہ گئے تھے وہ ہل نہ سکا۔ رام دیال تیزی سے اس کے پاس پہنچا۔ تو ایک شخص چلا پڑا۔ "بچاؤ —— بچاؤ —— خون ——"

"تو میں نے تم سے پچاس روپے قرض لئے تھے ——" کہہ کر رام دیال نے بازو اٹھایا جس میں چاقو تھا۔

"نہیں —— نہیں ——" قیمت رائے گڑگڑانے لگا۔ "مجھے مت مارو —— میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ——"

"میرے بھی ہیں ——" کہہ کر اس نے پہلا وار کیا۔ "کتے —— کمینے —— حرامزادے ——" اس نے تین گالیاں دیں۔ اور ہر گالی کے ساتھ وار کر دیا۔ قیمت رائے فرش پر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔

لوگ شور مچا رہے تھے۔ خون —— خون —— پکڑو —— بچاؤ ——"

رام دیال نے ایک فاتح کی طرح ان دبکے اور سہمے ہوئے کلرکوں کو دیکھا اور کمرے سے نکل گیا۔ اب بلڈنگ میں شور ہی شور تھا۔ وہ سکریٹری کے کمرے کے آگے پہنچ گیا۔ کئی کمروں کے دروازے بند ہو گئے تھے۔ —— کے ہو رہے تھے۔ لوگ افراتفری میں بھاگ رہے تھے۔

سکریٹری دین دیال کے کمرے کا دروازہ بھی بند ہو چکا تھا رام دیال نے دروازہ پیٹا اور چلا کر کہا۔

"او بزدل ـــ اب باہر آ ـــ تیرا بھی فیصلہ کرنا ہے مجھے۔"

لیکن دو تین منٹ دروازہ پیٹنے کے بعد وہ یک لخت ہوش میں آ گیا۔

وہ جنون کم ہو چکا تھا۔ جب وہ اس بلڈنگ میں داخل ہوا تو جانتا تھا کہ یہاں سینکڑوں اشخاص ہوں گے اور اسے ان سب کا مقابلہ کر کے دشمنوں کو ختم کرنا تھا۔ جب وہ داخل ہوا وہ دلیر، نڈر اور بے خوف تھا۔ اب دو دشمن ختم کرنے کے بعد وہ گھبرا گیا۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ لوگ اسے پکڑ لیں گے۔ وہ تنہا ہے اور ان میں گھرا ہوا ہے۔ چاروں طرف شور مچا ہوا تھا۔ اور یہ شور اسے فرار پر اکسا رہا تھا۔ اس کا کام ختم ہو گیا تھا۔ اس نے دو آدمیوں سے انتقام لے لیا تھا۔

اب!

اب اس کا یہاں کوئی کام نہ تھا۔ وہ یہاں کیا کر رہا ہے۔ ابھی پولیس آ جائے گی۔ لوگ جمع ہو جائیں گے۔ اب تک وہ ان لوگوں پر حاوی تھا ان سے زیادہ طاقتور تھا۔ اب وہ خود کو کمزور محسوس کر رہا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ میں خون آلود چاقو تھا۔ لیکن یہ چاقو حملے کے کام آ سکتا تھا۔ ذاتی تحفظ کیلئے نہ تھا۔ جو چاقو یا ہتھیار جارحانہ کارروائی کیلئے تیار ہوتے ہیں ان سے تحفظ نہیں ہو سکتا۔ یک لخت یہ خیال آیا تو خود کو دنیا کا بزدل ترین انسان سمجھنے لگا۔ چند منٹ قبل وہ دنیا کا بہادر ترین آدمی تھا۔ اس نے ابھی دو آدمیوں کو مارا تھا جو اب تک مر چکے ہوں گے۔ ایک پر چار وار کئے تھے ـــ دوسرے پر تین۔

وہ گھبرا گیا۔ وہ خوف زدہ ہو گیا۔ یہ کس قسم کا خوف تھا۔ یہ ڈر کیسا تھا یہ کہاں سے پیدا ہو رہا تھا۔ اس شور سے ـــ پکڑو۔ پکڑو کے شور سے ـــ وہ ڈر کیوں رہا تھا۔ وہ خوف زدہ کیوں ہو رہا تھا۔ وہ دلیر تھا۔ بہادر تھا۔ نڈر تھا ـــ اب قاتل تھا۔ پھر اسے ڈرنا نہیں چاہئے۔ اس دلیری

اور نڈر تھا کی جگہ پر ڈر اور خوف کیوں لے رہے تھے۔ وہ اب خود کو تنہا کیوں محسوس کر رہا تھا۔ وہ تیزی سے بڑے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کے پاس پانچ سات اشخاص کھڑے تھے۔ جیسے ہی انھوں نے اسے دیکھا بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کی دلیری ایک بار پھر لوٹ آئی۔ نہیں نہیں وہ دلیر تھا۔ اسے ڈرنا نہیں چاہئے۔ وہ تنہا نہ تھا۔ اس کے ہاتھوں میں چاقو تھا۔ اس نے دو جانیں لی تھیں۔ وہ تیسری بھی لے سکتا ہے۔ چوتھی بھی۔ پانچویں بھی۔

جیسے ہی وہ کھلے میدان میں پہنچا ایک شور بلند ہوا۔ پکڑو — پکڑو — خونی — قاتل — لیکن لوگ صرف شور مچا رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں چاقو نہ تھا۔ کوئی ہتھیار نہ تھا۔ پھر اسے کیسے پکڑ سکتے تھے۔ وہ تنہا نہ تھا اس کے پاس چاقو تھا۔

لیکن اس شور سے وہ ڈر گیا۔ یہ شور تلوار، بندوق سے زیادہ ہولناک دکھائی دے رہا تھا۔ یہ شور اسے بزدل بنا رہا تھا۔ اس کے اندر خوف پیدا کر رہا تھا۔ وہ چند قدم سنبھل کر چلتا رہا۔ ایک ایک قدم پورے اعتماد سے اٹھاتا رہا۔ پھر اس نے اعتماد کھو دیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔

اس کے بھاگنے کی دیر تھی کہ شور آسمان تک جا پہنچا۔

وہ سڑک پر بھاگ رہا تھا۔ اور جس طرف اس کا رخ تھا اسی سمت پولیس تھانہ تھا۔ جیسے وہ خود ہی جا کر خود کو پولیس کے سپرد کر دے گا۔ اس کے قدم اسے قانون کے حوالے کرنے کیلئے لے جا رہے تھے یک لخت اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"کسی نے عقب سے آواز دی": "رک جاؤ — رک جاؤ —"

لیکن وہ اس خیال سے رک گیا کہ دو سو گز آگے تو تھانہ تھا وہ غلط سڑک پر غلط سمت میں بھاگ رہا تھا۔ اسے اس طرف بھاگنا چاہئے جدھر سے وہ آ رہا ہے۔

جیسے ہی وہ سیدھے اور صاف راستے پر بھاگنے کیلئے گھوما اسے مضبوط بازوؤں نے جکڑ دیا۔

"تم کون ہو ـــ" رام دیال نے پھولے سانس سے کہا۔ "میری تمھارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں! مجھے چھوڑ دو ـــ" رام دیال نے خود کو بانہوں کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کی۔ "دیکھو میرے ہاتھ میں چاقو ہے تمھیں زخم نہ لگ جائے ـــ"

"تم قاتل ہو ـــ" اس شخص نے کہا۔

"لیکن وہ، ثبوت خود لوگ تھے۔ بڑے تھے۔ انھوں نے میری روزی چھینی تھی۔ میری تمھاری ساتھ کوئی دشمنی نہیں۔ تم مجھے چھوڑ دو ـــ" رام دیال نے کمزور لہجے میں کہا۔

"یہ چاقو مجھے دے دو ـــ" اس شخص نے کہا۔ "تمھاری لڑائی ختم ہو گئی ہے ـــ"

رام دیال نے اس کا چہرہ دیکھا۔ ایک منٹ نہ دیکھتا رہا۔ پھر چاقو سڑک پر گرا دیا۔ ایک نہتے شخص کے بازوؤں میں وہ کتنا کمزور، بے بس اور مجبور ہو کر رہ گیا تھا۔

لوگ جمع ہونے لگے۔ اسے گرفت میں لے لیا۔ پھر ـــ پھر ـــ ایک فلم سی چلنے لگی۔ جو فوکس سے باہر تھی۔ ایک خواب سا گذرنے لگا جو دھندلا تھا۔ اُسے آوازیں صاف نہ سنائی دے رہی تھیں۔ شور تھا۔ بے پناہ شور۔ ـــ لوگ ـــ ہجوم ـــ ابھی چند منٹ پہلے یہ تمام لوگ کہاں تھے۔ یا چاریہ اور قیمت رلنے کو بچا کیوں نہ سکے۔ لیکن اب رام دیال کے ذہن نے سوچنا بند کر دیا تھا۔ وہ مضبوط بانہوں میں گھرا ہوا خود کو محفوظ خیال کر رہا تھا۔ جیسے وہ میلوں کی مسافت کے بعد تھک گیا تھا۔ اور اب سہارے کے ساتھ چلنا چاہتا تھا ـــ تصویریں ـــ آوازیں ـــ دھندلی ہوتی گئیں۔

وہ حوالات میں پڑا تھا۔ چوبیس گھنٹے گذر گئے تھے۔ وہ گذشتہ چوبیس گھنٹوں سے کہانی کی کڑیاں جوڑنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ ٹوٹ جاتی تھیں۔ کیا اس نے پہلے قیمت رائے کا خون کیا تھا یا ڈاکٹر اچاریہ کا ـــــ وہ چند لمحات اس تیزی سے گذرے تھے کہ اب وہ ان تصویروں کو فلم کی شکل دینا چاہتا تو نہ دے پا رہا تھا۔ کچھ کڑیاں غائب تھیں۔ کچھ باتیں الجھ گئی تھیں۔ اسے اب وہ مکمل مکالمے یاد نہ تھے۔ جو ڈاکٹر اچاریہ نے بولے تھے۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ ڈاکٹر اچاریہ اس کے پاؤں میں گرا تھا اور زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ ہاتھ جوڑ رہا تھا۔ منتیں کر رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کا واسطہ دے رہا تھا۔ قیمت رائے بھی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ ہاتھ جوڑ رہا تھا اور اس نے بھی چھوٹے چھوٹے بچوں کا واسطہ دیا تھا۔

لیکن وہ ایک بات نہیں سمجھ سکا تھا۔ وہ بزدلوں کی طرح گڑگڑاتے ہوئے اور ہاتھ جوڑ کر زندگی کی بھیک مانگ کر کیوں مرے تھے۔ انھوں نے مقابلہ کیوں نہ کیا تھا۔ لیکن ایسا تو صرف وہ کرتا ہے جس کا ضمیر صاف ہو۔ ایک رشوت خور بھلا موت کو دیکھ کر مقابلہ کرتا ہے کبھی۔ وہ تو رشوت بھی بھکاری کی طرح مانگتا ہے۔ اور زندگی کی بھیک بھی بھکاری کی طرح ہاتھ جوڑ کر مانگتا ہے۔

پولیس کی تفتیش جاری تھی۔ کبھی اسے حوالات سے باہر نکال لیا جاتا اسے گندی گالیاں دی جاتیں۔ تھپڑ رسید کر دیئے جاتے لیکن اب وہ بے حس ہو گیا تھا۔ اس کی غیرت ختم ہو گئی تھی۔ بغاوت کی آگ سرد ہو گئی تھی۔ یہ لوگ اس کے دشمن نہ تھے۔ آج اس تھانے میں درجنوں کانسٹبل اور سب انسپکٹر کس بہادری کا مظاہرہ کر رہے تھے کل جب اس کے ہاتھ میں خون آلود چاقو تھا تو ان میں شاید ہی کوئی ایک نکلتا جو اس کا چاقو چھین سکتا۔ ایک ایسے شخص کو جس کے ہاتھ آہنی زنجیروں میں بندھے ہیں اس بے بس اور غیور انسان پر یہ درجنوں آدمی کیسی بہادری، دلیری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ ایک چور نہ تھا۔ لٹیرا نہ تھا وہ ایک قاتل تھا جس نے ایک

آدرش کی خاطر، اچھی تعلیم کی خاطر، ایمانداری کی خاطر، رشوت خوری کے انسداد کی خاطر دو آدمیوں کو مارا تھا۔ انسپکٹر تیمت رائے کل اسپتال پہونچ کر دم توڑ گیا تھا۔ لیکن ڈاکٹر اچاریہ نزع کی حالت میں تھا۔

اگر ڈاکٹر اچاریہ بچ گیا تو ــــ؟ رام دیال کا دل اس خیال سے ڈوب گیا۔ اچاریہ کو زندہ نہیں رہنا چاہئے۔ ورنہ یہ اس کے عمل کی شکست ہوگی ڈاکٹر اچاریہ پر تو اس نے چار وار کئے تھے پھر وہ کیسے اور کیونکر زندہ تھا۔ لیکن نہیں ــــ وہ آہستہ آہستہ مرے گا۔ تڑپ تڑپ کر ــــ اسے یاد آرہا تھا کہ ایک وار اس نے اس کے پیٹ کے نچلے حصے پر کیا تھا۔ کہ وہ یہ ــــ کہ گردے پر زخم لگنے سے آدمی سسک سسک کر، تڑپ تڑپ کر اور بے حد تکلیف اٹھانے کے بعد مرتا ہے۔

اب اس کا رروائی سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ اس نے جس روز وہ چاقو خریدا تھا اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس نے ڈاکٹر اچاریہ، انسپکٹر تیمت رائے اور سکریٹری دین دیال کی موت کے وارنٹ ہی حاصل نہ کئے تھے بلکہ اپنی موت بھی خرید ی تھی۔

اسے اپنے کئے پر کوئی پچھتاوا نہ تھا۔ اس نے تسلیم کر لیا تھا کہ قاتل وہ ہے۔ پھر یہ ہنگامہ کیوں تھا ــــ بیان ــــ تفتیش ــــ شناخت ــــ چاقو کی برآمدگی ــــ لوگوں کے بیانات ــــ بیانات ــــ"

یہ مذاق اور تماشہ کئی روز جاری رہا۔ ایک روز اسے جوڈیشل حوالات میں بھیج دیا گیا اور اسی روز اسے پتہ چلا کہ ڈاکٹر اچاریہ چوتھی روز جان بحق ہو گیا تھا۔

یہ جان کر اس کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اسے ایک گونا گوں مسرت حاصل ہوئی۔

ایک روز اسے ایک مجسٹریٹ کے روبرو پیش کیا گیا تھا۔ تین روز تک کچھ لوگوں کے بیانات قلمبند ہوتے رہے۔ فاضل مجسٹریٹ نے اسے

قتل کے جرم میں سیشن سپرد کر دیا۔

سیشن جج کی عدالت میں وہ مقدموں اور ایک فائل کی طرح دکھانے کا بیڈی ڈرامہ شروع ہو گیا۔

ضلع کچہری سے سیشن عدالت، چار فرلانگ کی دوری پر ایک کوٹھی میں واقع تھی۔ ضلع کچہری میں چھوٹی عدالتوں کے ملازمین کو اتار کر پولیس کی لاری سیشن کی عدالت میں پہنچی۔ تو لاری میں صرف تین ملزم تھے۔ ایک رام دیال اور دو — ایک ڈکیتی کے ملزم تھے۔ ان کے پاؤں میں آہنی بیڑیاں ڈال دی گئی تھیں۔ اگرچہ اس ڈپٹی کمشنر نے کہا تھا کہ وہ خطرناک آدمی ہے۔ لیکن جیل میں رام دیال نے ایسا کوئی کام نہ کیا تھا جس کی وجہ سے اسے خطرناک ملزم قرار دے کر بیڑیاں پہنا دی جاتیں۔

لاری پارک کی جا رہی تھی تو رام دیال نے کھڑکی سے جس پر تار کی جالی تھی جھانک کر دیکھا۔ ایک طرف اس کے چھوٹے بھائی بجرنگی اور دوادار کا کھڑے تھے۔ رام دیال کے دل میں ایک حسرت ابھری کاش آج بھولو زندہ ہوتا۔ وہ بھی یہاں کھڑا ہوتا۔

ان کے چہروں کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ گھبراہٹ اور سراسیمگی کا کھلا اشتہار تھے۔ شاید آج اس کی بیوی بھی آئی ہو۔ وہ جب سے گرفتار ہوا تھا اس کی بیوی صرف ایک بار ریزیڈنٹ مجسٹریٹ کی عدالت کے باہر ملی تھی۔ گو وہ پریشان تھی لیکن رام دیال کی ڈھارس بندھا رہی تھی کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

لاری رک گئی تو رام دیال دروازے کی طرف بڑھا۔ کانسٹبل نے اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھوں کے بیچ کلائیوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔ وہ چھلانگ لگا کر نیچے پہنچا۔ کانسٹبل اسے لے کر چل پڑا۔ بھائی اسے دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔

"کیسے ہو بجرنگی —" رام دیال نے مسکراہٹ پیدا کرتے ہوئے کہا۔
"اور تم دوادار کا — مزے میں ہو؟"

"ہاں بھیا ——" دونوں کی آواز یک لخت آئی۔
بجرنگی نے جیب سے بیڑی کے چار بنڈل نکالے۔ تین رام دیال کو دیئے اور چوتھا کانسٹبل کو۔
بیڑیاں سلگ گئیں تو بجرنگی بولا "ہم نے شہر کے چوٹی کا فوجداری کا وکیل کر لیا ہے۔ اس کی فیس بھی دے دی ہے۔ اس نے بڑی تسلی دی ہے اور یقین دلایا ہے کہ عمر قید یا چودہ سال کرا دے گا۔ یہ تمھارا پہلا جرم ہے اور تم فوج میں بھی رہے ہو ——"
"وکیلوں کی بات میں نہیں آتے" رام دیال نے آہستہ سے کہا "کتنی کتنی فیس لی ہے اس نے ——"
"گیارہ سو روپے ——" دوارکا بولا۔
"یہ رقم کہاں سے لی"
دونوں بھائی خاموش ہو گئے۔
"جواب دو ——" رام دیال نے اونچی آواز میں کہا "یہ رقم کہاں سے پیدا کی"
"ہم نے اور دوارکا نے بس انداز کر رکھی تھی ——" بجرنگی نے کہا۔
"جھوٹ!" رام دیال نے غصے سے کہا "تو تم نے مکان فروخت کر دیا ہے"
"نہیں بھیا نہیں ——" دوارکا بولا "گروی رکھا ہے"
"کتنے میں ——"
"پندرہ سو میں ——" دوارکا بولا "وکیل کی فیس کے علاوہ اوپر کا خرچ بھی ہو جاتا ہے ——"
"پاگل ہو تم سب —— میں تمھیں کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ وکیل کی ضرورت نہیں۔ میرا مقدمہ صاف ہے۔ میں موقع پر پکڑا گیا تھا۔ میں نے دو سرکاری افسروں کو ڈیوٹی دیتے ہوئے قتل کیا ہے۔ مجھے کوئی عدالت بخش نہیں سکتی۔ میری سزا تجویز ہی نہیں ہو چکی ہے بلکہ لکھی جا چکی ہے —— اور

اور تم نے بیوقوفوں کا ثبوت دیتے ہوئے مکان گروی رکھ دیا ہے۔ آج سیشن میں مقدمہ لڑنے کیلئے مکان گروی رکھا ہے۔ کل ہائیکورٹ میں اپیل کیلئے اسے فروخت کر دینا ـــ اگر تمہیں شوق ہی تھا تو سو پچاس روپے کا وکیل کر لیتے چوٹی کا وکیل بھی مجھے پھانسی کے تختے سے اتار نہ سکے گا۔

لیکن بھیا! ماں ـــ وہ رو رو کر پاگل ہو رہی ہے۔ وہ تو آج یہاں آنے کیلئے ضد کر رہی تھی۔ میں چاہتا بھی تھا کہ اسے لاؤں لیکن چالیس میل کا سفر ـــ ماں کہتی تھی یہ مکان دیا نے بنایا ہے۔ وہ چھوٹی سی عمر میں گھر سے بے گھر ہوا تھا۔ اس نے خطرہ مول لیا تھا۔ وہ لام پر گیا تھا۔ آج اگر اس پر مصیبت آپڑی ہے تو یہ گھر کس روز کام آئے گا ـــ" دوارکا نے کہا اور آنسو بہانے لگا۔"

"تو ماں کا کیا ہے۔ میں نے کہا نا وکیل کرنا تھا تو سو پچاس کا کر لیتے۔ تم نے کیا ہی کیوں کہ چوٹی کا وکیل کر رہے ہیں۔" رام دیال نے اداس لہجے میں کہا۔

"پگلے سمجھتے کیوں نہیں کہ یہی تو ایک پونجی ہے جس میں میرے بعد تمہاری بیوی، بھابی، اور بچوں کو سر چھپانا ہے۔ تمہیں اور تمہارے بچوں کو سر چھپانا ہے۔ اسے ہی فروخت کر دوگے تو سر کہاں چھپاؤ گے ـــ" رام دیال نے کربناک لہجہ میں کہا۔

"لیکن بھیا! وکیل صاحب پہلے تو مانتے ہی نہیں تھے۔ مقدمہ لینے کو تیار ہی نہ تھے۔ کہتے تھے کہ میں وہ مقدمہ نہیں لیتا جسے جیت نہ سکوں۔ بڑی مشکل سے راضی ہوئے۔" بجرنگی نے کہا۔

"وکیل شعبدہ گر نہیں ہوتا۔ وہ حکومت کی پالیسی نہیں بدل سکتا۔ میں نے عام آدمیوں کو قتل کیا ہوتا تو مجھے عمر قید ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ سرکاری افسروں کا معاملہ ہے جنھیں میں نے ڈیوٹی دیتے ہوئے مارا ہے۔ میری سزا لکھی جا چکی ہے۔ اس مقدمہ کے شروع ہونے سے پہلے ہی یہاں بھی، ہائی کورٹ میں بھی ـــ سپریم کورٹ میں بھی ـــ اور راشٹرپتی کی رحم درخواست بھی مسترد ہو چکی ہے۔ یہ تو محض ایک تماشہ ہوتا ہے۔ وکیل اپنی قابلیت کا

سکہ جمائیں گے اور کچھ نہیں۔ اس کیلئے پچاس سو کا وکیل بلکہ زیادہ بہتر ہوتا کہ کل افسوس نہ ہوتا کہ اچھا وکیل کرنے پر بھی زیادہ روپے خرچنے پر بھی سزا وہی ملی۔ جو ایک معمولی وکیل کرنے پر مل سکتی تھی ——" رام دیال نے تھکی آواز میں کہا۔

"لیکن بھیا! اس طرح دل کو کیسے سمجھایا جا سکتا ہے۔ مریض کے لئے کون نہیں چاہتا کہ بہترین ڈاکٹر حاصل کیا جائے ——" بجرنگی بولا۔

"اچھا! جیسا تم مناسب سمجھو ——" رام دیال جانتا تھا اب وکیل سے فیس واپس نہ آسکتی تھی۔

دونوں بھائی وکیل کی طرف چلے گئے۔ رام دیال کانسٹبل کے ساتھ ایک درخت کے نیچے چلا گیا۔

نہ معلوم راحت کہاں سے آن نکلا۔

"راحت —— تم ——" رام دیال نے چونک کر کہا۔

"ہاں میں ——" راحت کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی "تم نے سوچا ہوگا کہ میں کہاں کھو گیا۔ میں نے ایک بار جیل میں ملاقات کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ ریذیڈنٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں ایک ذرا دیر سے پہنچا۔ —— سناؤ کیسی گذر رہی ہے؟"

"جو ایک قاتل کے ساتھ گذر سکتی ہے ——" رام دیال نے زہر خند مسکراہٹ سے کہا۔ "تم تو خود قیدی رہ چکے ہو خواہ سیاسی ہی سہی —— آؤ بیٹھ جائیں ——" کہہ کر رام دیال زمین پر بیٹھ گیا۔

کانسٹبل رومال بچھا کر بیٹھ گیا اور راحت ننگی زمین پر۔

"اس روز میرا خیال تھا کہ تم اپنا ارادہ ترک کر دو گے۔ لیکن تم رکے نہیں اور تم نے ......" راحت کہتے کہتے رک گیا۔

"راحت! اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ رہا تھا ——" رام دیال نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور خالی آسمان کو دیکھنے لگا۔

"نہیں! تم نے زندگی کو ایک اور موقعہ نہ دیا۔

"یہ غلط ہے ——" رام دیال نے دکھی آواز میں کہا "میں نے

زندگی بھر حالات سے سمجھوتہ کیا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ انقلاب نہ تھا۔ بقول تمہارے ذاتی انتقام بن کر رہ گیا۔ لیکن میرے سامنے صرف دو راستے تھے۔ چھ ماہ کی بے روزگاری نے گھر کو قلاش بنا ڈالا تھا۔ بھوک سے سب بچے بلک اٹھتے تھے۔ مجھ سے ان کا بلکنا دیکھا نہ جاتا تھا۔ کچھ لوگ حالات سے گھبرا کر خودکشی کر لیتے ہیں۔ میں بھی کر سکتا تھا۔ اور خودکشی کرنے والے یہ نہیں سوچتے کہ ان کے بعد ان کی بیوی ان کے بچوں کا حشر کیا ہوگا وہ چند تکالیف کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ وہ اپنی شکست سے آنکھ نہیں ملا سکتے۔ لیکن میں نے شکست نہ کھائی تھی۔ میں حالات سے گھبرایا نہ تھا۔ میرے ساتھ ظلم ہوا تھا۔ زیادتی ہوئی تھی۔ مجھ سے میرا حق چھینا گیا تھا۔ میں نے تو ڈاکٹر اچاریہ کے پاؤں کو پکڑ کر روٹی مانگی تھی اور اس نے جواب میں بوٹ کی ٹھوکر ماری تھی۔ یہ درست ہے کہ میں انقلاب نہیں لا سکا۔ میں رشوت کا انسداد نہیں کر سکا۔ لیکن جب ڈاکٹر اچاریہ میرے پاؤں میں گرا مجھ سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا تو میں نے احساس کیا تھا ایک رشوت خور اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا بلکہ وہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بچوں کا واسطہ دے کر زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا اور یہی حالت قیمت رائے کی تھی۔

"میں سوچتا ہوں موت دونوں صورتوں میں یقینی تھی۔ خودکشی یا جو کچھ میں نے کیا ہے۔"

"نہیں ایسا نہ کہو۔ یہ تمہارا پہلا جرم ہے۔ تمہیں کم سزا بھی دی جا سکتی ہے۔" راحت نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں! دی جا سکتی ہے لیکن ملے گی نہیں۔ حقائق سے چشم پوشی کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ میں نے دو سرکاری افسروں کو ڈیوٹی دیتے ہوئے مارا ہے۔ لہٰذا مجھے سب سے سخت سزا دی جائے گی یعنی موت ——— ابھی ابھی بجرنگی بتا رہا تھا کہ اس نے مکان گروی رکھ کر شہر کا چوٹی کا فوجداری کا وکیل کر لیا ہے۔ اور میں اسے سمجھا رہا تھا کہ یہ محض تماشہ ہے۔ چند مسخرے عدالت میں کھڑے ہو کر اپنے مسخرے پن کا ثبوت پیش

کریں گے۔ چھوٹے بیان دیں گے۔ چند روز ایک مزاحیہ ڈرامہ کھیلا جائے گا۔ چند مسخرے اپنا پارٹ ادا کریں گے اور ایک روز پردہ گر جائے گا۔

"رام دیال ـــ تمھیں سزائے موت دی جاتی ہے ـــ" رام دیال کی آواز میں افسردگی نہ تھی۔ ایک گیلا طنز تھا۔

"لیکن یہ ان کا فرض ہے۔"

"فرض! مسخروں کا ـــ"

"نہیں! میرا اشارہ تمھارے بھائی اور رکیل کی طرف تھا۔"

"یہی رقم ان بے وقوفوں کے کام آتی ـــ" رام دیال نے حسرت آمیز لہجے میں کہا۔

"اچھا رام دیال ایک سوال کا جواب دو۔"

"پوچھو ـــ"

رام دیال کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر گہرا سانس لے کر ٹھہر ٹھہر کر بولا "میں اسے پچھتاوا یا افسوس نہ کہوں گا۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اسے کیا کہوں! جس روز ڈاکٹر اجاریہ کو شمشان لے جایا گیا۔ اس کی ارتھی کے ساتھ سینکڑوں آدمی تھے۔ کمیٹی کے تمام دفاتر اس کے اعزاز میں بند کر دیئے گئے تھے۔ میں نے یہ خبر اگلے روز کے اخبار میں پڑھی تھی ـــ یہ پڑھ کر میرے دل کو دھکا سا لگا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ وہ مرا نہ تھا بلکہ کسی عظیم اصول یا نصب العین کی خاطر شہید ہو گیا تھا۔ ایک رشوت خور افسر کے اعزاز میں دفتر بند کر دیئے گئے ـــ اس کے جنازہ میں سینکڑوں اشخاص شامل تھے کمیٹی کا ہر ملازم شامل تھا۔ وہ بھی جو اسے پسند نہ کرتا تھا۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ اب انھیں ڈاکٹر اجاریہ سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ اب وہ ان کی فائل پر غلط رپورٹ نہ لکھ سکتا تھا۔ وہ انھیں ملازمت سے برطرف نہ کر سکتا تھا۔ وہ انھیں ڈانٹ نہ سکتا تھا۔ انھیں نقصان نہ پہونچا سکتا تھا ـــ" رام دیال آہستہ آہستہ رک رک کر کہہ رہا تھا۔

رام دیال کے لہجے میں اس لاچارگی بے بسی شکست خریمت اور

کیا کچھ نہ تھا۔ اسے قتل کے وقت جو فتح حاصل ہوئی تھی کہ ڈاکٹر اچاریہ کس طرح اس کے پاؤں میں گرا بچوں کا واسطہ دے دے کر منتیں کر رہا تھا۔ زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ کتنا لاچار اور کمزور تھا۔ اس کی لاش کتنی اہم بن کر رہ گئی تھی۔ وہ ہلاک ہو کر شہید کا رتبہ پا گیا تھا۔ اور اس حقیقت نے رام دیال کی انا کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اسے کرب اور درد دیا تھا۔ ایک کسک اور جلن دی تھی۔ اس کے احساس کو چوٹ پہنچائی تھی۔

"اور تم اس بات پر اداس ہو گئے تھے ـــــ" راحت نے آہستہ سے سوال کیا۔

رام دیال نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر دیں۔ کچھ دیر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے دل کی کیفیت بتانا چاہی زبان سے وہ کچھ نہ بولا لیکن راحت نے دیکھا ـــــ کہ اس کی نگاہوں اور آنکھوں میں شکست تھی ـــــ ایک درد تھا ـــــ ایک کرب تھا ایک ویرانی تھی۔

کچھ دیر خاموشی کے بعد راحت بولا "رام دیال! ہر شخص اپنے ہر عمل، فکر، سوچ کو حق بجانب سمجھتا ہے تمہیں اس عمل پر تاسف تو نہیں۔ لیکن تم اسے حق بجانب سمجھتے ہو ـــــ"

"میں نے پہلے کہا ہے کہ میرے سامنے دو راستے تھے خود کشی یا۔۔۔۔۔۔ میری موت دونوں صورتوں میں یقینی تھی ـــــ لیکن ـــــ جیل میں کئی ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی ہے جو چار برس سے لے کر عمر قید تک کاٹ رہے ہیں۔ جانتے ہو ان لوگوں کا جرم کیا ہے۔"

"بتاؤ ـــــ"

"ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ میلے میں جا رہا تھا کسی اجنبی نے اس کے جسم کے خاص حصے پر ہاتھ رکھ دیا۔ عورت نے احتجاج بلند کیا۔ تو خاوند نے اس شخص کی گردن اڑا دی۔

ایک شخص چار برس کاٹ رہا ہے۔ اس کی بہن پر کسی نے آواز کسا تھا۔ اس نے چاقو سے حملہ کیا۔ لیکن وہ زندہ بچ نکلا یہ نوجوان چار

برس کاٹ کر باہر جانا چاہتا ہے تاکہ اس شخص کو ختم کر دے جو پہلی بار بچ گیا تھا۔

ایسے کئی غیرت مند دلیر اور بہادر لوگ جیل کی صعوبتیں اٹھا رہے ہیں اور اپنے عمل پر تاسف نہیں کرتے۔

انھیں دیکھ کر میں ایک ہمت پاتا ہوں۔ اور اس حیثیت کو جان کر کبھی تاسف نہیں کروں گا کہ جیل میں ایسا کوئی شخص نہیں جو اس لئے آیا اس نے اپنی بیوی یا بہن سے پیشہ کرایا ہو۔ ایسا شخص کبھی جیل نہیں آتا۔ اگرچہ عورت سے پیشہ کرانا یا عصمت فروشی قانوناً جرم ہے۔ اس جرم کا ارتکاب ہوتا ہے لیکن وہ پکڑے نہیں جاتے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم اپنے عمل کو جائز قرار دیتے ہو۔"

"نہیں! لیکن سوال تھا کہ حق بجانب ہوں یا نہیں۔ حق بجانب ہونے کیلئے انسان کو موازنہ کرنا پڑتا ہے اور اپنی قسم کے لوگوں کو دیکھ کر وہ تقویت حاصل کرتا ہے ——" رام دیال نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"بچے —— بیوی —— بھائی —— ان کا خیال آتا ہوگا۔"

"راحت سمجھتے کیوں نہیں ——" رام دیال یوں بولا جیسے اسے کسی جانور نے کاٹ کھایا ہو۔ "میں جانتا ہوں مجھے کیا سزا ملنی ہے۔ میں جتنی دیر زیادہ زندہ رہوں گا نزع کی حالت میں رہوں گا۔ جب میں اپنے انجام سے باخبر ہو چکا ہوں تو اب مجھے خود کو اس کیلئے تیار کرنا ہے۔ اب اگر میں ان جذباتی رشتوں، ناطوں کے متعلق سوچوں گا تو مجھے زیادہ تکلیف ہوگی۔ میں نے اسی لئے بیوی کو منع کر دیا ہے کہ وہ کبھی عدالت میں نہ آئے اور نہ ہی ملنے جیل میں آئے۔ مجھے خود کو بچوں سے دور رکھنا ہوگا۔ بیوی سے دور رہنا ہوگا تاکہ کل جو ہونا ہے اس کا احساس ابھی سے پیدا ہو جائے میں نے کسی کی جان لی ہے۔ جس کی جان لی تھی اس نے زندگی کی بھیک مانگی تھی۔ جب میں نے اس پر رحم نہیں کھایا تو میں خود رحم کا مستحق کیسے ہو سکتا ہوں۔ میں رحم کی بھیک کیوں مانگوں۔ جب جانتا ہوں کہ یہ بھیک نہ ملے گی ——" رام دیال کا لہجہ سپاٹ تھا۔

اسی لمحہ رام دیال کے نام آواز پڑی۔

"چلو ـــ"، کانسٹبل نے کھڑے ہو کر کہا۔

"چلو ـــ"، کہہ کر رام دیال کھڑا ہو گیا اور مسکرا کر راحت سے بولا۔

"تم اداس ہو۔ آؤ چل کر تماشہ دیکھیں۔ جس کے لئے میرے بھائیوں نے مکان گروی رکھ کر سب سے قیمتی ٹکٹ خریدا ہے۔ لہذا ہمیں اگلی صفوں میں جگہ ملے گی ـــ"

تمام اسٹیج لگی ہوئی تھی۔ سیشن جج، ریڈر، اسٹینوگرافر، سرکاری وکیل صفائی کا وکیل، منشی، لواحقین ـــ گواہ باہر کھڑے تھے۔ انھیں باری باری اندر آنا تھا اپنا رول ادا کرنا تھا اور اسٹیج سے غائب ہو جانا تھا۔ اور فاضل جج نے گواہوں کو سننے اور وکیل صفائی کو سننے کے بعد اسے سزائے موت سنانا تھی جو وہ اپنے ضمیر کی آواز سے سن چکا تھا۔

"ملزم حاضر ہے ـــ" آواز آئی۔

"حاضر ہے ـــ" آواز آئی۔

ڈرامہ شروع ہو گیا۔ سرکاری وکیل ہاتھ ہلا ہلا کر گرج دار آواز میں بول رہا تھا جیسے مسخرے سرکس میں کمال دکھاتے ہیں۔

"........ اور اب میں گواہوں کی مدد سے مرنے والوں کے بیانات سے چشم دید گواہوں سے اس چاقو سے جو قاتل سے قتل کے فوراً بعد برآمد ہوا ثابت کروں گا کہ ملزم رام دیال ...."

پہلا گواہ بلرام سنگھ تھا جو مرحوم یا مقتول ڈاکٹر اچاریہ میڈیکل آفیسر میونسپل کمیٹی کا چپراسی تھا۔

اس نے بیان دیا۔

"حادثہ کے روز ملزم سوا دس بجے میرے پاس آیا۔ میں ڈاکٹر اچاریہ کے کمرے کے باہر بیٹھتا ہوں اور ان کا ذاتی چپراسی ہوں جولائی سترہ کو میں ڈیوٹی پر تھا۔ جب کہ ملزم پونے گیارہ بجے آیا اور مجھ سے سوال کیا کیا

ڈاکٹر صاحب آ گئے ہیں۔ میں نے انکار میں جواب دیا۔ تو ملازم نے گہرا سانس لیا۔

اسی روز نو بج گیا رہ بجے ملازم پھر آیا تو میں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب آ گئے ہیں۔ ملازم اندر چلا گیا اور میں اس کمرے سے پانچ گز دور کھڑا تھا کہ اندر سے آوازیں آئیں۔

"پکڑو — مجھے مار ڈالا ہے — بچاؤ —"

میں جلدی سے کمرے کے باہر پہنچا اور میں نے ایک دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ملازم کے ہاتھ میں خون آلود چاقو ہے۔ اس نے ڈاکٹر پر ایک اور وار کیا اور یہ چیخ کر کہا: "میں تمہارا خون پیوں گا" اس نے وار کیا اور کمرے کے دوسرے دروازے سے نکل گیا —"

مسخرہ نمبر ایک — "رام دیال بڑبڑایا" جھوٹا۔ اول تا آخر جھوٹا، جھوٹے بے ایمان! ہم تو سگریٹ پینے گئے تھے۔ تو یہ تھا وہ انصاف جو اسے ملے گا۔ جس کی خاطر یہ ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے۔

گواہی جاری تھی: "ڈاکٹر صاحب کے جسم سے خون بہہ رہا تھا اور وہ چلا رہے تھے۔ مجھے رام دیال نے مارا ہے اسے پکڑ لو"

"پکڑ لو —" رام دیال نے سوچا وہ تو اس کے پاؤں میں گرا ہوا تھا۔ اور زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ اس نے کب چلا کر کہا تھا کہ رام دیال کو پکڑ لو —

اس ڈھونگ، ڈرامہ اور تماشہ کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سب کہیں گے کہ انھوں نے مجھے قتل کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

گواہی جاری تھی: "پھر کمرے میں انسپکٹر قیمت رائے اور کلرک دیس راج آ گئے۔ ڈاکٹر نے ان سے بھی کہا کہ مجھے رام دیال نے مارا ہے اور وہ دونوں کمرے سے نکل گئے —"

گواہ نے کہا کہ وہ دونوں سکریٹری کے کمرے کی طرف بھاگے لیکن ان کے ساتھ کیا ہوا وہ نہیں جانتا: "میں کمرے ہی میں رہا۔ کچھ دیر بعد

کچھ لوگ ملزم کو پکڑ کر سے آئے درگا داس کے ہاتھ میں خون آلود چاقو تھا ۔"
کچھ دیر بعد پولیس موقع واردات پر پہنچ گئی ۔
بیان ختم ہوا تو وکیل صفائی نے جرح کی ۔
" جس وقت ملزم چاقو مار رہا تھا تم کمرے ہی میں تھے ۔"
" جی ہاں ___ میں دروازے سے دیکھ رہا تھا ۔"
" اور تم نے بچانے کی کوشش نہیں کی ___ "
" میں ڈر گیا تھا ___ "
" تمھیں ڈاکٹر اچاریہ نے سگریٹ لانے کتنی دیر سے بھیجا تھا ۔
" جی انھوں نے سگریٹ لانے نہیں بھیجا تھا ___ "
وکیل صفائی سمجھ گیا کہ پولیس نے اسی لئے اُسے سب سے پہلے پیش کیا تھا کہ وہ چشم دید گواہ تھا اور عدالت میں اس آسانی سے ٹوٹ نہ سکتا تھا ۔ لیکن وکیل صفائی معمولی وکیل نہ تھا ۔ وہ شہر کے چوٹی کے فوجداری وکلا میں سے ایک تھا ۔
" دفتر کتنے بجے شام کو بند ہوتا ہے ___ "
" پانچ بجے ___ "
" تم پانچ بجے چھٹی کر کے کہاں جاتے ہو ___ "
" اپنے گھر ___ "
" صبح دفتر کتنے بجے آتے ہو ___ "
" دس بجے ___ "
" ڈاکٹر اچاریہ اگر ۱۰ بجے دفتر آجائیں تو تم اس وقت کمرہ صاف کر رہے ہوتے ہو ___ "
" وہ دس بجے کبھی دفتر نہیں آتے ۔"
وکیل صفائی اس پر زیر لب مسکرا دیا ۔" وہ ہمیشہ دیر سے آتے تھے ۔" اس نے سوال کیا ۔
" جی ہاں ! کیونکہ انھیں علاقے کے دورے پر جانا ہوتا ہے ۔" گواہ

بچ کر نکل گیا۔

"جس وقت ملزم نے ڈاکٹر اچاریہ کو چاقو مارا اس وقت ڈاکٹر اچاریہ کرسی پہ بیٹھے تھے۔

"جی ہاں ـــــ"

"اور وہ ہاتھ آگے کر کے چاقو کے وار سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے ـــــ"

"جی ہاں ـــــ" گواہ اکھڑ گیا۔

"ملزم نے متعدد وار کئے؟"

"جی ہاں ـــــ"

"تم نے کتنے وار دیکھے ـــــ"

"دو ـــــ"

"کیا ڈاکٹر اچاریہ نے ملزم کو پاؤں سے دھکا دینے کی کوشش کی؟"

"جی نہیں ـــ"

"صرف ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کی ـــ"

"جی ہاں ـــ"

"یور آنر! یہ پوائنٹ نوٹ فرما لیا جائے ـــــ" وکیل صفائی سیشن جج سے مخاطب ہوا۔

سرکاری وکیل نے بے چین ہو کر کروٹ بدلی۔

"جس وقت تم سگریٹ لے کر آئے تو دروازہ کھلا تھا یا بند ـــ"

"میں سگریٹ لینے نہیں گیا" گواہ پھر بچ نکلا۔

"شام کو چھٹی کے بعد تم ڈاکٹر کے ساتھ کار میں بیٹھ کر ان کی کوٹھی جایا کرتے تھے؟"

"جی نہیں ـــ"

"تم جھوٹ بولتے ہو! سچ بتاؤ ـــ" وکیل صفائی نے گرج کر کہا۔

"کبھی کبھی ـــ"

"اور تم کوٹھی پر ان کا ذاتی کام کرتے تھے ــــ"
"کبھی کبھی ــــ"
"ڈاکٹر صاحب کی بیوی کیا کام کرتی ہیں ــ"
"میں اس سوال پر اعتراض کرتا ہوں" سرکاری وکیل بولا۔
"جب یہ ڈاکٹر کے گھر آیا جایا کرتا تھا۔ اس کا نجی اور ذاتی کام بھی دفتر کے اوقات کے بعد کرتا تھا تو یقینی بات ہے کہ یہ ڈاکٹر اجارے کے بہت قریب تھا اور کسی حد تک رازداں بھی تھا لہٰذا یہ ڈاکٹر اجارے کی بیوی کے متعلق بہت کچھ جانتا ہے"۔ وکیل صفائی نے جرح کی۔
"میں اعتراض رد کرتا ہوں ــ" سیشن جج نے کہا۔
"شکریہ یور آنر!" وکیل صفائی نے کہا اور گواہ سے مخاطب ہوا۔ "ڈاکٹر اجارے کی بیوی کیا کام کرتی ہے ــ"
"کچھ نہیں ــــ"
"...... علاقے میں ایک کوٹھی اس کے نام ہے"
"جی ہاں ــــ"
"میں اعتراض کرتا ہوں۔ یہ سنی سنائی ہے ــ" سرکاری وکیل نے کہا۔
"میں اعتراض رد کرتا ہوں ــ" سیشن جج نے کہا۔
سرکاری وکیل منہ لٹکا کر بیٹھ گیا۔
"اس کوٹھی کے علاوہ ڈاکٹر اجارے کے پاس دو کاریں تھیں"
"جی ہاں ــــ"
"ڈاکٹر اجارے کی بیوی کار چلانا جانتی ہے ــ"
"جی ہاں ــــ"
"وہ دونوں کاریں ڈاکٹر اجارے کی بیوی کے نام ہیں"
سرکاری وکیل کھڑا ہونے لگا لیکن اس نے ارادہ بدل دیا۔
"میں کہہ نہیں سکتا ــــ"

"کیا تمھیں ڈاکٹر نے کبھی نہیں بتایا کہ وہ کاریں اس کی بیوی کے نام ہیں۔"

"جی نہیں ــــ"

"ڈاکٹر صاحب رشوت کس طرح کھاتے تھے ــــ"

"میں اس سوال پر اعتراض کرتا ہوں ــــ" سرکاری وکیل چلایا۔

"اعتراض جائز ہے" سیشن جج نے کہا۔

"ہوں ــــ" وکیل صفائی نے مسکرا کر کہا "کیا تمھیں کبھی کسی نے رشوت دی تھی کہ ڈاکٹر صاحب کو دے دو۔"

"جی نہیں ــــ"

"انسپکٹر قیمت رائے اور کلرک دیسراج کس وقت کمرے میں گئے؟"

"وہ کمرے میں نہیں گئے صرف دروازے میں کھڑے ہو کر دیکھتے رہے ــــ"

"کیا ملزم اس وقت وار کر رہا تھا یا کر چکا تھا۔"

"کر چکا تھا اور وہ دروازے کی طرف بڑھا تو انسپکٹر قیمت رائے اور کلرک دیسراج وہاں سے ہٹ گئے۔"

"اور تم وہاں کیوں کھڑے رہے۔"

"ملزم دوسرے دروازے کی طرف تھا۔ کمرے کے دو دروازے تھے ــــ"

"کیا ملزم نے نہیں دیکھا تھا۔"

"میں کہہ نہیں سکتا ــــ"

"تم دروازے کی آڑ میں تھے ــــ"

"جی ہاں ــــ"

"کیا تم نے شور مچایا تھا کہ آ کر بچاؤ ــــ"

"جی نہیں ــــ"

"کیوں ــــ"

"میں ڈرا ہوا تھا ــــ"

"ملزم نے جب پہلا وار کیا تو ڈاکٹر کھڑا تھا۔"

"جی نہیں وہ کرسی پر بیٹھے تھے۔"

"کیا ڈاکٹر کے ہاتھوں پر چاقو لگا۔"

"جی نہیں۔"

"اور وہ ہاتھوں کو آگے کر کے خود کو بچا رہے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"کیا تم جانتے تھے کہ ملزم نوکری سے برخاست کیا جا چکا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"اور تم نے ڈاکٹر اچاریہ سے پوچھا تھا کہ ملزم ملنا چاہتا ہے۔"

"جی نہیں۔"

"ملزم نے کیا کہا تھا۔"

"میں اپنی نوکری کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں ڈاکٹر صاحب سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔"

وکیل صفائی زیر لب مسکرا دیا۔ "کیا ملزم نے کہا تھا کہ میں ڈاکٹر سے انتقام لوں گا۔"

"نہیں۔"

"کیا ملزم نے کوئی دھمکی دی تھی۔"

"جی نہیں۔"

"کیا تمھیں شک تھا کہ ملزم اندر جا کر قتل کر ڈالے گا۔"

"میں اس سوال پر اعتراض کرتا ہوں۔" سرکاری وکیل چلایا۔

"میں اسے رد کرتا ہوں۔" سیشن جج نے کہا۔

"کیا تمھیں شک گذرا تھا کہ ملزم اندر جا کر ڈاکٹر اچاریہ کو قتل کر دے گا۔"

"جی نہیں۔"

"کیا ملزم گھبرایا ہوا تھا جب اندر گیا۔"

"جی نہیں —"

"ملزم نے کیا پہن رکھا تھا —"

"بش شرٹ اور پتلون —"

"کیا ملزم کا ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا۔ جب وہ اندر گیا؟"

"جی نہیں —"

"کیا ڈاکٹر اچاریہ روز شراب پیتے تھے؟"

"جی نہیں —"

"ہفتے میں چار بار —"

"شاید —"

"تم کتنی بار شراب خرید کر لائے —"

"جی ہاں —"

"کیا لوگ بھی دے جاتے تھے —"

سرکاری وکیل کھڑا ہونے لگا لیکن بلرام سنگھ جواب دے چکا تھا۔

"میں نے کبھی نہیں دیکھا —"

"جس وقت انسپکٹر قیمت رائے اور کلرک دیسراج آئے تو انسپکٹر قیمت رائے کے ہاتھ میں چاقو تھا؟"

"جی نہیں —"

"کیا ملزم نے کہا تھا کہ اس کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور وہ بہت غریب ہے؟"

جی ہاں —

"وقوع سے کتنے روز پہلے ملزم ڈاکٹر اچاریہ سے ملا تھا؟"

"ایک روز پہلے —"

"کیا اس روز ملزم اور ڈاکٹر اچاریہ میں تو تو میں میں ہوئی تھی؟"

"میں نہیں جانتا —"

"سگریٹ کی دوکان ڈاکٹر اچاریہ کے کمرے سے کتنی دور ہے

"کوئی سو گز ـــــ"

"دن میں کتنی بار سگرٹ خریدنے جاتے تھے؟"

"دو تین بار ـــ"

"سگرٹ لانے میں کتنا وقت لگتا تھا؟"

"پندرہ بیس منٹ ـ"

"جس روز قتل ہوا اس روز کتنی دیر میں لوٹ آئے تھے؟"

"میں اس روز گیا نہیں تھا ـــ" بلرام سنگھ منجھا ہوا گواہ تھا اور پولیس کا تمام کیس اسی گواہی پر مبنی تھا۔ اس کے بیان کے مطابق وہ اور تین ملازم رام دیال کو چاقو مارتے ہوئے دیکھا تھا ان میں سے ایک انسپکٹر قیمت رائے مر چکا تھا۔ دوسرا کلرک دیس راج تھا۔ بلرام سنگھ اور دیس راج چشم دید گواہ تھے۔ یا پولیس نے پیدا کئے تھے ان میں سے بلرام سنگھ چٹان ثابت ہو رہا تھا۔

"ملزم جب کمرے سے نکل گیا تو تم نے کیا کیا ـــ"

"میں اندر گیا تو ڈاکٹر اچاریہ تڑپ رہے تھے۔ وہ خون میں لت پت تھے اور چلا رہے تھے کہ رام دیال کو پکڑو۔ اس نے مجھے مارا ہے ـــ" بلرام سنگھ نے جواب دیا۔

"اور تم نے کیا کیا ـــ"

"میں سکریٹری صاحب کو لینے چلا گیا تاکہ ان کو مطلع کروں۔"

"ڈاکٹر اچاریہ کو تڑپتے چھوڑ کر ـــ"

بلرام سنگھ خاموش رہا۔

وکیل صفائی صرف ایک نقطہ حاصل کر سکا تھا کہ ملزم جب چاقو سے وار کر رہا تھا تو ڈاکٹر اچاریہ نے خود کو بچانے کیلئے ہاتھ آگے کئے تھے لیکن اس کے ہاتھوں پر کوئی زخم نہ تھا۔ دوسرے لفظوں میں بلرام سنگھ چشم دید گواہ نہ تھا۔

وکیل صفائی نے بے حد کوشش کی لیکن وہ گواہ کو نہ توڑ سکا۔

"کینٹین کتنے بجے کھلتی ہے ـــ"

"صبح آٹھ بجے ۔"
"کیا تمھارے علاوہ کینٹین کا کوئی ملازم وہاں آیا تھا؟"
"میں کہہ نہیں سکتا ۔"
"کینٹین سے انسپکٹر رائے چاقو لے کر آیا تھا؟"
"میں نے نہیں دیکھا ۔"
"انسپکٹر قیمت رائے اس روز چھٹی پر تھا ۔"
"میں نہیں جانتا ۔"

دوسرا گواہ درگا داس تھا۔

"........ میں سرکاری دفتر میں ملازم ہوں اور اس روز دیر سے دفتر جا رہا تھا کہ کمیٹی کی بلڈنگ سے پکڑو ۔۔۔ پکڑو کی آوازیں آئیں۔ ملزم کے ہاتھ میں خون آلود چاقو تھا اور یہ بھاگ رہا تھا۔ میں بھی اس کے پیچھے بھاگ پڑا اور اسے داہنی کلائی سے پکڑ لیا۔ اسی اثنا میں کچھ لوگ اور بھی آ گئے اور ملزم نے چاقو زمین پر پھینک دیا جسے میں نے اٹھا لیا......"

"جھوٹ ہے ۔" رام دیال نے دل ہی دل میں کہا۔ "کم از کم تم جھوٹ نہ بولو۔ میں تو غلط سمت بھاگ رہا تھا۔ اور جیسے ہی مجھے احساس ہوا کہ میں غلط سمت بھاگ رہا ہوں۔ اور آگے پولیس تھانہ ہے۔ میں لوٹ پڑا۔ اور تمھارے ایک جملہ میں خلوص اور پیار تھا۔ اس جملے نے مجھے خود کو تمھارے حوالے کرنے پر مجبور کیا تھا۔ تم نے کہا تھا یہ چاقو مجھے دیدو۔ تمھارا انتقام ختم ہو گیا ہے۔ اور میں نے وہی چاقو سڑک پر گرا دیا تھا۔ اگر میں جانتا کہ تم بھی آج اس عدالت میں جھوٹ بولو گے تو میں تمھیں بھی چاقو مار دیتا۔ میں نے تمھیں دشمن نہ سمجھا تھا تم نے تو کہا تھا کہ میرے دشمن ختم ہیں۔ میرا انتقام پورا ہو گیا ہے لیکن یہ نئے دشمن کہاں سے پیدا ہو رہے ہیں۔

میں نے تو خود کو اس لئے تمھارے حوالے کیا تھا کہ میں بھاگ بھاگ کر تھک گیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میں صدیوں پر سوں سے بھاگ

رہا ہوں۔ زندگی سے بھاگ رہا ہوں۔ بھوک اور افلاس سے بھاگ رہا ہوں۔ بے ایمان لوگوں اور رشوت خوروں سے دور بھاگ رہا ہوں۔

مجھے اس وقت تمھاری باہوں میں ایک سہارا ملا تھا۔ ایک سکون ملا تھا۔ ایک شانتی ملی تھی۔ لیکن اب تمھارے اس جھوٹ نے میرے اندر نفرت کی آگ پیدا کر دی ہے۔

"وقوعہ کے روز تم کیٹی کے آگے سے گذر رہے تھے"؛ وکیل صفائی نے جرح شروع کی۔

"جی ہاں —"

"بارہ بجے تم وہاں کیا کر رہے تھے —"

"بارہ نہیں بجے تھے گیارہ پچیس ہوئے تھے"

"کیا تمھارے پاس گھڑی ہے"

"جی نہیں"

"پھر تم وقت کیسے بتا سکتے ہو —"

"کیٹی کی عمارت میں گھڑیاں لگی ہیں —— میں نے وقت دیکھا تھا۔ کہ اسی کیٹی کے میدان سے آوازیں آئیں پکڑو —— پکڑو۔ ملزم بھاگ رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں خون آلود چاقو تھا —"

"ملزم کس طرف بھاگ رہا تھا —"

"پولیس تھانے کی طرف —"

"یعنی وہ اپنے ہاتھ کی بیڑی پہ —"

"جی ہاں —"

"اور تم کہاں تھے —"

"میں سڑک کے بائیں ہاتھ جا رہا تھا۔"

"پیدل۔"

"جی نہیں سائیکل پر۔"

"تمہارے دفتر کے اوقات کیا ہیں۔"

"دس سے شام چھ بجے تک۔"

"اس روز ساڑھے گیارہ بجے دفتر جا رہے تھے؟"

"جی ہاں۔"

"کیوں۔"

"میرا گھر میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ کھانا وقت پر تیار نہ ہوا تھا۔ اس لئے مجھے دیر ہو گئی تھی۔"

"جھگڑا کس بات پر ہوا تھا۔"

"جی۔ جی۔۔۔۔؟"

"میں اس سوال پر اعتراض کرتا ہوں؟" سرکاری وکیل بولا۔

"میں رد کرتا ہوں۔" سیشن جج نے کہا۔

"جواب دو بیوی سے جھگڑا کیوں ہوا تھا۔"

"جی۔" درگا داس نے نیچی نگاہوں سے کہا "میرا قلیل تنخواہ میں گذر نہیں ہوتا۔ لہٰذا میری بیوی مجبور کرتی ہے کہ میں اوپر سے کچھ پیدا کروں۔"

"اور وقوع کے روز تم کچھ پیدا کرنے نکلے تھے؟"

"جی نہیں اب مجھے رشوت سے نفرت ہے۔"

"اسی لئے اس روز دفتر ساڑھے گیارہ بجے جا رہے تھے؟"

"وکیل صاحب! میں سرکاری جائیداد اور دیگر جائیدادوں کا کرایہ وصول کرتا ہوں اسی لئے کسی وقت بھی دفتر جا سکتا ہوں؟"

"تم بھی رشوت کے خلاف ہو۔" رام دیال نے سوچا "پھر میرے خلاف گواہی کیوں دینے آئے ہو۔ میں نے اس رشوت کے خلاف ہی تو

احتجاج بلند کیا تھا۔ اور رشوت خور افسروں کو جان سے مار اب تمہیں تو میری مدد کرنا چاہئے اور تم میرے خلاف گواہی دے رہے ہو۔ تمھیں تو میرے ساتھ اس کٹہرے میں کھڑا ہونا چاہیئے۔ اور تم ہو کہ رشوت خوروں کے حق میں گواہی دینے آئے ہو۔"

"ملزم داہنے ہاتھ کی پٹری پہ بھاگ رہا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"اور تم بائیں ہاتھ کی پٹری پہ سائیکل پہ جارہے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"آوازیں سن کر تم نے سڑک پار کی۔"

"جی ہاں۔"

"اور ملزم کو للکارا۔"

"جی نہیں۔"

"پھر تم نے سائیکل پہ تعاقب کیا۔"

"جی ہاں۔"

"سڑک پہ ساڑھے گیارہ بجے آمدورفت کیسی تھی۔"

"بہت سی گاڑیاں گذر رہی تھیں۔"

"اور تم بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ آگئے۔"

"جی ہاں۔"

"کیا تمہارے للکارنے پہ ملزم رک گیا تھا۔"

"جی نہیں! ملزم کچھ قدم پولیس تھانے کی طرف بھاگتا رہا۔ پھر یک لخت لوٹ پڑا۔ اور میں نے اسے پکڑ لیا۔"

"جس وقت تم نے پکڑا سائیکل کہاں تھی۔"

"میں نے اسے پٹری پہ پھینک دیا تھا۔"

"پھر تم نے ملزم کو بازو سے پکڑ لیا۔"

"جی ہاں۔"

"ملزم کے ہاتھ میں چاقو تھا۔"

"ہاں۔"

"اس نے تمھیں دھمکی دی۔"

"جی نہیں۔"

"اس نے خاموشی سے خود کو تمھارے سپرد کر دیا۔"

"میں نے اس سے کہا تھا کہ تمھارے دشمن ختم ہو گئے ہیں۔ یہ چاقو اب مجھے دو دے" دربان نے کہا۔ "ملزم نے چاقو مجھے دے دیا۔"

"تم ملزم کو پکڑ کر کمیٹی کے دفتر میں لے گئے۔"

"وہاں دو تین اشخاص اور آ گئے تھے۔"

"جب تم ملزم کو پکڑ کر دفتر میں لے گئے تو وہاں کتنی دیر لگی۔"

"پندرہ بیس منٹ بعد پولیس آ گئی۔ مجھے روک لیا گیا اور بعد دوپہر تین بجے کے قریب میرا بیان ختم ہوا۔"

"اور تمھاری سائیکل کی نگرانی کس نے کی۔"

"وہ میں بھول گیا تھا اور بعد ازاں مل نہ سکی۔"

"پولیس میں رپٹ درج کرائی۔"

"جی ہاں۔"

"اور اب جو سائیکل تمھارے پاس ہے یہ کہاں سے لی۔"

"پولیس نے دی ہے۔"

اس انکشاف پر کمرے میں ہو کا سناٹا چھا گیا۔ پولیس افسران جو عدالت میں موجود تھے ان کے چہروں کا رنگ اڑ گیا۔

"یور آنر! یہ نقطہ نوٹ فرما لیا جائے۔"

سیشن جج نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو تم سائیکل کے عوض جھوٹی گواہی دینے آئے ہو۔"

"جی نہیں۔"

"کیا جی نہیں۔"

"میں جھوٹی گواہی نہیں دے رہا ہوں۔"

"جس وقت تم نے ملزم کو پکڑا ملزم کے ہاتھ میں چاقو نہیں تھا؟"

"جی نہیں۔"

"میں کہتا ہوں جب تم اور دوسرے لوگ ملزم کو ڈاکٹر اچاریہ کے کمرے میں لے گئے تو چاقو وہاں پڑا تھا؟"

"جی نہیں۔" رام دیال نے دل ہی دل میں کہا۔

"درگا داس ٹھیک کہتا ہے۔ یہ چاقو میرے ہاتھ میں تھا لیکن یہاں تو انصاف سچ سے نہیں جھوٹ سے جیتا جاتا ہے۔ یہ ایک دوڑ ہے جو جیتی جائے گی انصاف کو حاصل کیا جائے گا۔ جھوٹ بولنے میں کون جیت سکتا ہے جھوٹا بیان دینے میں کون کامیاب ہو سکتا ہے۔"

"اسی دن تم پورے دس بجے اپنے دفتر میں تھے۔"

"جی نہیں۔"

ایک اور مسخرا اسٹیج پر اپنا پارٹ پورا کر کے چلا گیا۔

مقدمہ کی سماعت ختم ہو گئی تھی۔ پہلا سین ہو چکا تھا اور دوسرا سین اگلے دن شروع ہونا تھا۔ وہی سین، سینیریاں، وہی اداکاری اور ان کے علاوہ نئے اداکار آئیں گے اور وہ جھوٹ کے انبار پر اور گندگی پھینک کر جھوٹ کے انبار کو اور زیادہ اونچا کرتے جائیں گے۔

عدالت کے باہر راحت، بجرنگی اور دوارکا آ گئے۔

"ڈرامہ پسند آیا۔" رام دیال نے مسکرا کر راحت سے کہا۔

"میرا خیال صرف جھوٹ ہی پر چلتا ہے یہاں تک کہ سچ کو جھوٹ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ مجھے آج ڈاکٹر اچاریہ کے چپراسی بلرام سنگھ پر غصہ نہیں آیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ ایک رشوت خور چپراسی ہے لیکن میں نہیں سمجھ سکا کہ درگا داس نے جھوٹ کیوں بولا۔ میں نے جب اپنے کو اس کے سپرد کر دیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ تمہاری دشمنی ختم ہو گئی۔ تم نے اپنے دشمنوں سے بدلا لے لیا ہے اور آج وہ جھوٹ بول رہا تھا۔

"اس کے یہ کہنے سے کہ چاقو تمہارے ہاتھ میں تھا اور تم نے اسے گرا دیا تھا استغاثہ کی کہانی اور مضبوط بنتی ہے۔" راحت نے کہا۔

"مضبوط یا کمزور، یہ بے ایمان، رشوت خوروں کی موافقت میں کتنے لوگ عدالت میں حاضر ہو کر جھوٹے بیان دیں گے۔ اور پھر مجھے ان جھوٹے بیانوں پر ہی سزائے موت سنا دی جائے گی ——" رام دیال نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"لیکن اس کے جھوٹ کو کمزور ثابت کر دیا گیا ہے ——" راحت نے مسکرا کر کہا۔ "آخر چھوٹے اور بڑے وکیل میں یہی تو فرق ہے۔ جرح کرتے کرتے درگا داس سے کیا اگلوایا کہ سائیکل پولیس نے دی ہے۔"

"لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے ——" رام دیال نے کمزور لہجے میں کہا ——

"فرق! پولیس افسران کے چہرے دیکھے تھے۔ ان کے چہروں کے رنگ اڑ گئے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ درگا داس خریدا ہوا گواہ ہے۔ اس سائیکل کے علاوہ پولیس نے اور کیا کیا دیا ہے یہ تو پولیس اور درگا داس ہی جانتے ہیں لیکن درگا داس ایک اہم گواہ تھا اور ہمارے وکیل نے اسے اکھاڑ ڈالا۔" راحت نے سرد لہجے میں کہا۔

"لیکن راحت اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا ——"

"ارے مقدمے اسی طرح جیتے اور ہارے جاتے ہیں۔ آج بلرام سنگھ بھی اکھڑ گیا ——" راحت نے کہا۔

"کس نقطہ پر ——" بجرنگی نے سوال کیا۔

"ذاتی تحفظ پر۔ اس نے بیان دیا کہ ڈاکٹر اچاریہ ہاتھوں سے وار بچانے کی کوشش کر رہے تھے اور ڈاکٹروں اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں ہاتھوں پر کسی زخم کا ذکر نہیں۔" راحت نے کہا۔

"پھر ——"

"یعنی بلرام سنگھ نے اپنی آنکھوں سے چاقو مارتے نہیں دیکھا لہٰذا

وہ چشم دید گواہ نہیں رہتا ۔" راحت نے وضاحت کی۔

"راحت! یہ محض ایک مزاحیہ ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے۔ چند مسخرے اپنے اپنے کرتب دکھا رہے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے اپنی اپنی فیس لے رکھی ہے۔ لہٰذا وہ اپنے کمال اور ہنر کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ورنہ میں جانتا ہوں، تم جانتے ہو اور ہر سمجھدار آدمی جانتا ہے کہ میری سزا مقدمہ شروع ہونے سے پہلے ہی تجویز ہو چکی ہے۔" رام دیال بھاری آواز میں بولا۔

"اور میں اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اب دوسرا چشم دید گواہ کلرک دیسراج ہے اگر اس کا بیان بلرام سنگھ کے بیان سے ٹکرا جائے تو مقدمہ کا رخ بدل سکتا ہے۔" راحت نے کہا۔

"سزا پھر بھی وہی ملے گی۔" رام دیال نے مسکرا کر کہا۔

"تم تو خواہ مخواہ دل چھوٹا کر رہے ہو۔" بجرنگی نے کہا۔

"میں تمھارا بھائی ہوں۔ تم مجھے زندہ دیکھنا چاہتے ہو۔ یہ تمھارے جذبات ہیں۔ یہ تمھاری دلی خواہش ہے ورنہ قانون جذبات اور خواہشات کا لحاظ نہیں کرتا۔ میں نے دو سرکاری افسروں کو ڈیوٹی دیتے ہوئے قتل کیا ہے۔ موقعہ پر گرفتار ہوا ہوں۔ مدعا صاف ظاہر ہے کہ مجھے نوکری سے الگ کر دیا گیا تھا اور میں بدلہ لینا چاہتا تھا۔ وہ چاقو بھی برآمد ہو گیا تھا اب کوئی کسر باقی نہیں رہتی کہ مجھے سزا نہ دی جائے۔" رام دیال نے کہا۔

"خیر وکیل صاحب تو کہتے ہیں کہ عمر قید ہو گی کیونکہ تمھارا یہ پہلا جرم ہے اور اس کے علاوہ وہ تمھاری فوجی زندگی کا ریکارڈ بہت اچھا ہے۔" بجرنگی بولا۔

اس لئے کہ اس نے فیس لی ہے۔ فوجی زندگی میری برٹش کے دور حکومت کی تھی اب اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔" رام دیال نے جواب دیا۔

"لیکن رام دیال! ایک نقطہ اس فوجی زندگی کا ہماری موافقت میں آجاتا ہے۔" راحت نے بیڑی سلگاتے ہوئے کہا۔

"کون سا۔"

"تم نے دماغی توازن کھو دیا تھا اور کئی مہینے ہسپتال میں علاج کر لتے

رہے —" راحت نے کہا۔

"کیا مطلب —" رام دیال نے سوال کیا۔

"آج شام کو ہم وکیل صاحب سے اس کا تذکرہ کریں گے کیوں نہ ہم یہ ثابت کردیں کہ تمہارا دماغ ٹھیک نہیں۔ ایک دو ڈاکٹروں سے گواہی دلوا دیں گے —" راحت کی آنکھوں میں روشنی چمک رہی تھی۔

"راحت تم ایسی باتیں کر رہے ہو —" رام دیال نے تعجب سے پوچھا۔

"یہی رام دیال یہی تو تمہاری بھول تھی۔ تم نے صرف اتنا سوچا کہ ان دو افسروں سے کیسے بدلہ لینا ہے۔ اگر تم نے یہ بھی اسکیم بنائی ہوتی کہ بدلے کے بعد وہاں سے فرار کیسے ہونا ہے تو آج یہ کیس بہت آسان ہو جاتا۔ استغاثہ کو یہ ثابت کرنا بہت دوبھر ہو جاتا کہ قاتل تم ہو۔ اگر یہ ثابت کر بھی دیں تو تمھیں چودہ سال کی قید ہوگی۔ پھر تم جانتے ہو کہ یہاں انصاف خریدا جاتا ہے۔ وکیل بھی ہوگا اور انصاف بھی ہوگا۔ یہاں انصاف وکیل کی قابلیت پر منحصر ہوتا ہے۔ اب تم اس سماج سے لڑ رہے ہو تو اس لڑائی میں ہر بات ٹھیک ہے۔ ابھی لڑائی جاری ہے اور یہ لڑائی جھوٹ اور بے ایمانی کی ہے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ رشوت خوروں کی موافقت میں کتنے لوگ گواہی دینے کو تیار ہیں اور تم ایک ایماندار آدمی ہو۔ جس نے غریبی، بھوک اور تنگی کو سینے سے لگایا لیکن رشوت نہ کھائی اور آخر میں آج تم لوہے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے ہو۔ تمہارے بھائی، بیوی اور تمہارے معصوم بچے پریشان ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ تمھیں کم سے کم سزا ملے۔ اگر رشوت خوروں کے حق میں دو چار لوگ گواہی دے سکتے ہیں تو تم سچ کی خاطر جھوٹ کا سہارا کیوں نہیں لے سکتے۔ سچ کو سچ ثابت کرنے کیلئے زیادہ سے زیادہ جھوٹ فریب چھل کا سہارا لیا جاتا ہے۔ ہم ثابت کریں گے کہ تمہارا دماغ ٹھیک نہیں تھا اور تم نے جو کچھ کیا ہے وہ دماغی توازن کو کھو کر کیا ہے —"

راحت بڑے جوش میں دلیل دے رہا تھا۔

"یہ کیا تماشہ ہے —" رام دیال نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں! اور تم نے آپ ہی کہا تھا کہ اس تماشے کو دیکھنے کی خاطر سب سے قیمتی ٹکٹ خریدا ہے تاکہ پہلی صف میں جگہ ملے۔ کیا ہمارا وکیل یہ ثابت نہیں کر رہا ہے کہ

ڈاکٹر اچاریہ ایک رشوت خور افسر تھا۔ اس کی بیوی کوئی کام نہیں کرتی اس کے برعکس وہ ایک کوٹھی اور دو کاروں کی مالک ہے۔ ہم عدالت میں ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر اچاریہ اور قیمت رائے رشوت خور تھے اور وہ تمھیں مجبور کرتے تھے کہ ان کیلئے رشوت کا راستہ بناؤ ـــ" راحت نے کہا۔

"اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ میرا ماتحتی تو ازن بگڑ گیا تھا تو پھر کیا ہوگا ـــ" رام دیال نے تھکے انداز میں کہا۔

"بہت کچھ ـــ تم بری بھی ہو سکتے ہو اور دو چار سال کی سزا بھی پا سکتے ہو۔ تمھارے جرم کا خاکہ بگڑ جائے گا ایک پاگل کسی کو قتل کر دے تو اسے پھانسی نہیں دی جا سکتی ـــ"

"راحت صاحب! آج شام ہی ہم وکیل صاحب سے ملیں گے" بجرنگی بولا۔

"ہوں ـــ" رام دیال نے گہرا سانس لیا "لیکن میں اب بھی کہتا ہوں کہ اس کی ضرورت نہیں ـــ"

"اب تم اس جنگ کو ہم پر چھوڑ دو۔ جو لڑائی تم لڑنا چاہتے ہو وہ لڑ چکے ہو لیکن قانون اور انصاف کی لڑائی ہم اور ہمارا وکیل لڑے گا۔ اور کوئی بھی لڑائی شرافت اور آداب سے نہیں لڑی جاتی بلکہ ہر لڑائی میں جسم پر چوٹ لگتی ہے۔ خراشیں آجاتی ہیں پھر بھی اڑ جاتے ہیں اور کپڑے بھی پھٹ جاتے ہیں" راحت نے سمجھایا۔

"بھیا! کل بھابی کو لے آئیں۔ وہ ایک بار آپ کو دیکھنا چاہتی ہیں۔ جب سے آپ گرفتار ہوئے ہیں اس نے آپ کو نہیں دیکھا ہے بیچاری روتی رہتی ہیں" بجرنگی بولا۔

"نہیں! بالکل نہیں!!" رام دیال نے سختی سے منع کیا۔

"کیا حرج ہے ـــ" راحت بولا "آخر وہ تمھاری بیوی ہے تمھارے دکھ درد کی ساتھی ہے ـــ"

"ہم سمجھاتے ہیں کہ بھیا کو کوئی تکلیف نہیں لیکن وہ بار بار ہاتھ جوڑ کر کہتی ہیں کہ صرف ایک بار وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ اس کی سمجھ کے مطابق پولیس ہر روز تم پر ظلم ڈھاتی ہے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ تمھیں ہر روز پیٹا جاتا ہے ـــ" بجرنگی نے

بھاری آواز میں کہا۔

"نہیں ۔۔۔ بالکل۔ تم سمجھتے کیوں نہیں۔ اگر وہ آتی ہے تو میرے ارادے میں کمزوری پیدا ہو جائے گی۔ میری تمنائیں لڑکھڑانے لگیں گی۔ اور میری جیل کی زندگی مجھ پر بھاری ہو جائے گی۔ اب تک سہن کرنے میں نے دل کو مضبوط بنا لیا ہے میں خود کو بچوں اور اس سے (بیوی) دور رکھ رہا ہوں۔ اور اگر وہ ملنے آتی ہے تو میرا آخری یقین ڈانواڈول ہو جائے گا میرے قدم ڈگمگانے لگیں گے۔ مجھ سے جیل کی راتیں گزاری نہ جا سکیں گی۔ وہ مجھ پر دوبھر ہو جائیں گی۔ میں بے چین ہو جاؤں گا گھر سے نفرت پیدا ہو جانے سے یہ تکلیف جو میں اٹھا رہا ہوں کئی گنا بڑھ جائے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے ان لوہے کی زنجیروں میں بندھا دیکھے۔ اس کی پریشانی کم نہ ہو گی بلکہ بڑھ جائے گی۔ اور میں جو اپنے کو اور اپنے جرم کو ان سے دور رکھ رہا ہوں اس کے ملنے سے دوری ختم ہو جائے گی۔ پھر مجھے یوں پتہ چلے گا کہ وہ بھی میرے جرم میں حصہ دار تھی۔ اب تک میں اپنے اس جرم کیلئے صرف اپنے کو جوابدہ سمجھتا ہوں لیکن اسکے ملنے کے بعد میں محسوس کروں گا کہ میرے جرم کی ایک وجہ یہ بھی ہے بچے بھی ہیں جن کی بھوک ننگی اور غریبی میں برداشت نہ کر سکا اور میں نے ایسا قدم اٹھایا۔ راحت! میں انھیں اس کام کی وجہ نہیں بنانا چاہتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس سے ملنا نہیں چاہتا۔" رام دیال نے دھیمی آواز میں کہا۔

"تم بات نہ کرنا۔ وہ دور سے ہی دیکھ لیں گی۔" راحت نے کہا۔

اب تک وہ صبر کا دامن تھامے ہوئے ہے پھر یہ دامن ہاتھ سے نکل جائے گا۔ یہ کیسے یقین ہے کہ وہ کچھ گھڑی کھڑی ہو اور مجھ سے بات نہ کرے۔ اگر بات نہیں کرتی تو اس کا دکھ اور بڑھ جاتا ہے۔ یہ بات اسے اور بھی دکھ پہنچائے گی کہ وہ مجھ سے بات نہ کر سکی۔ اگر بات کرتی ہے تو رشتہ کر دیتی ہے کہ اس کی روح اور بدن کو دبوچ دے گا اسے دکھ دیگا۔ اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ وہ صرف ایک دکھ جھیلتی رہے۔ ملنے اور دیکھنے کے بعد ایک دکھ نہ رہے گا بلکہ وہ ایک دکھ کئی دکھوں کا روپ دھار لے گا۔ پھر اس کے پاس تو بچے ہیں وہ ان سے باتیں کر سکتی ہے ان سے بول سکتی ہے لیکن میرا راستہ کتنا دشوار ہو جاتا ہے۔ میں تو جیل میں اکیلا

ہوں اور جب مجھے کوٹھی پر لے جایا جائے گا تو میری تنہائی انتہا پر پہنچ جائے گی اور وہ پرسکون موت کا استقبال بکلیف دہ بنا دیگا۔ مجھے ان رشتے ناطوں کو توڑنا ہے انھیں اپنانا نہیں ہے انھیں اپنانے میں میرے آخری ایام تباہ ہو جائیں گے ۔"

"تم دل چھوٹا نہ کرو ۔ مجھے یقین ہے کہ تمھیں کوٹھی نہ ملے گی۔" راحت نے آہستہ سے کہا۔

"خیر! میں تمھارے یقین کو توڑنا نہیں چاہتا۔" رام دیال نے مسکرا کر کہا "لیکن اپنے خاتمہ سے اچھی طرح واقف ہوں ۔"

"ابھی تو تمھیں بھی جھوٹ بولنا پڑے گا ۔"

"مجھے ۔" رام دیال نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں ۔"

"وہ کیوں ۔"

"تمھیں وہ بیان دینا پڑیگا جو تمھارا وکیل بتائے گا۔" راحت نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن میں نے قتل کئے ہیں ۔"

"اور تمھارے وکیل نے یہ ثابت کرنے کی فیس لی ہے کہ تم نے قتل جان بوجھ کر نہیں کئے۔"

"پھر ۔"

"دیکھو وہ کیا بیان دلواتا ہے ۔"

"چلو ۔" کانسٹیبل نے حکم دیا "لاری انتظار کر رہی ہے۔ ابھی ضلع کچہری سے دوسرے ملزموں کو لینا ہے ۔"

"چلو ۔" رام دیال نے کہا۔

جیسے ہی وہ چلنے لگے تو انھوں نے دیکھا کہ درگا داس ان کی طرف آ رہا تھا۔ وہ سب رک گئے۔

"میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں ۔" درگا داس نے حلیمی سے کہا۔

"اب کہنے کیلئے کیا رہ گیا ہے ۔" رام دیال نے گہرا سانس لیا "جو کچھ تم نے کہنا تھا عدالت میں کہہ دیا ہے ۔"

"نہیں! وہ ایک بیان تھا لیکن میری روح میں ایک کانٹا پھنسا ہوا ہے

میں اسے نکالنا چاہتا ہوں۔" درگا داس نے کہا۔

"کانٹا ۔" راحت نے کہا۔ "اتنا بڑا کانٹا کیا ہو سکتا ہے جو آج تم کو نکال پھینکنا ہے پھر میں نہیں سمجھ سکا تمھیں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی ۔"

"جھوٹ تو عدالت اور انصاف کا ایک حصہ ہیں۔" درگا داس نے کہا۔ "لیکن میں کہنا چاہتا تھا کہ میری تمھارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں۔"

"اگر تھی بھی تو میں تمھارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا ۔" رام دیال نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے صرف ایک بات کا دکھ ہے شاید تم نہیں جانتے کہ اس دن جب میں بھاگ رہا تھا تو تم نے مجھے کہا تھا کہ میرے دشمن ختم ہو گئے ہیں اور میں نے اپنے کو تمھارے بازوؤں کے حوالے کر دیا تھا اور مجھے تمھاری باہوں میں ایک سہارا ملا تھا ایک سکون ملا تھا۔ مجھے یوں لگا کہ میں ایک ریگستان میں ننگے پاؤں بھاگ رہا ہوں۔ میرے پیروں میں چھالے پھوٹ پڑے ہیں۔ میں بھاگ بھاگ کر تھک گیا ہوں۔ اور تمھاری باہوں میں چھپ کر سستا سکتا ہوں۔ اور آج تم نے بلاوجہ عدالت میں چاقو کے بارے میں غلط بیان دیا ۔"

"وہ مجھ سے پولیس نے دلوایا ہے ۔"

"ایک سائیکل کی خاطر ۔" بجرنگی نے غصہ سے کہا۔

"تمھارا غصہ ٹھیک ہے لیکن میں اب بھی خوش نہیں ہوا۔ میں نے اس دن ایک قاتل کو پکڑا تھا۔

لیکن جب میں حقیقت سے آشنا ہوا تو میں اتنا پچھتایا کہ میں نے تمھیں کیوں پکڑا۔ تمھیں وہاں سے بھاگ جانے دیا ہوتا۔ میرے دل میں آخر عمر تک یہ خلش باقی رہے گی کہ میں نے تمھیں نہیں پکڑا تھا بلکہ اپنی زندگی کے سب سے اونچے اصولوں کا خون کیا تھا۔ کاش! کہ میں اس دن اس سچ واقعہ سے واقف ہوتا کہ تم نے دو رشوت خور افسروں کی جان لی ہے۔ تم جان کر حیران ہو گے کہ میں خود رشوت کے خلاف ہوں۔ اور آج میرے گھر میں بیوی سے جھگڑا ہوا تھا کہ میں اوپری آمدنی کیوں نہیں پیدا کرتا۔ میں بچوں کی اسکول کی فیس نہ دے سکا۔ اور آخری تاریخ گذر گئی تھی۔ میں جس نے زندگی بھر رشوت سے نفرت کی ہے۔ بھوک اور غریبی میں بھی میرے قدم نہ ڈگمگائے اور زندگی میں وہی آدمی ایسے شخص کو پکڑے جو رشوت کے خلاف ہو۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں مجھ پر کیا گذری ہو گی۔ میرا بس چلتا تو

آج میں عدالت میں نہ آتا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ پولیس مجھے معاف نہ کر سکتی تھی۔"

"یہ شک تو مجھے بھی گذرا تھا۔" راحت نے آہستہ سے کہا۔ "ایک قاتل جس کے ہاتھ میں خون آلود چاقو ہو اسے پکڑنا ایک معمولی آدمی کا کام نہیں۔ رشوت خور تو بہت کمزور ہوتا ہے۔ یہ دلیری اور جلیٹی صرف ایک ایماندار آدمی میں ہی ہو سکتی ہے۔"

"لیکن اب ان باتوں سے کیا حاصل ہے۔" بجرنگی نے کہا۔

"حاصل کی بات نہیں۔ میرے دل میں ایک چبھن تھی اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ایک بیان جو عدالت میں دوں گا اور جو درست بھی ہے وہ بھی آپ کو بتا دوں گا میں جانتا ہوں میں بیان نہ بدل سکتا تھا اگر بدلا۔۔۔۔۔۔"

"لیکن تم اتنا کہہ سکتے تھے کہ اس کے پاس چاقو نہیں تھا۔ جیسے ہمارے وکیل نے کہا تھا کہ چاقو ڈاکٹر اچاریہ کے کمرے میں تھا۔" بجرنگی بولا۔

"اس بیان کے بعد کیا تم نہیں جانتے کہ پولیس مجھے کتنا پریشان کرتی۔ مجھے کسی مقدمے میں پھنسا دے گی۔ میرے پاس تو وکیل کو فیس دینے کیلئے پیسے بھی نہیں ہیں۔" درگا داس نے بھاری آواز میں کہا۔

"خیر! میں اس بات پر خوش ہوں کہ مجھے اگر کسی نے پکڑا تو وہ آدمی تھا جو رشوت کے خلاف تھا ورنہ عدالت میں جو گواہ پیش کئے جا رہے ہیں وہ سب رشوت خور ہیں۔ وہ رشوت خوروں کی موافقت میں کیسے رشوت خور گواہی دے رہے ہیں اور اس دن ان میں سے کسی کو جرأت نہ ہو سکی کہ مجھے پکڑ سکتا۔" رام دیال نے رک رک کر کہا۔

"اب چلو۔" کانسٹیبل نے کہا۔

"چلو۔" رام دیال بولا۔

"اچھا! میری تمنا ہے کہ آپ کو سخت سزا نہ ملے۔" درگا داس بولا۔

"ہوں۔" رام دیال نے کہا اور کانسٹیبل کے ساتھ چل دیا۔

رام دیال اور کانسٹیبل چلے گئے تو درگا داس راحت سے کہنے لگا۔

"مجھے آخری عمر تک یہ رنج رہے گا کہ میں نے پکڑ کر غلطی کی۔ حالانکہ آج مجھے اپنی دلیری اور نڈرتا پر فخر حاصل ہونا چاہئے تھا۔ لیکن یقین کیجئے میرا دل مجھے لعنت کر رہا ہے جیسے میں بھی ان رشوت خوروں کے گروہ میں سے ہوں۔ زندگی میں پکڑا تو

ایک شریف آدمی کو اور گواہی دی تو بے ایمان لوگوں کیلئے۔ میں اس بات کو ساری عمر نہ بھول سکوں گا۔" درگا داس کے اس لہجے میں سچائی تھی۔

"ہو سکتا ہے۔" راحت نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"ہاں! لیکن میں اب اپنی طبیعت کو ہلکا محسوس کر رہا ہوں میرے دماغ پر ایک بوجھ تھا وہ اب اتر گیا ہے۔" درگا داس نے کہا۔ "لیکن یہ افسوس پھر بھی قائم رہے گا کہ میری وجہ سے ایک گھر پر پریشانیوں کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ رام دیال کے چھوٹے بچے ہوں گے ابھی ان کی عمر ہی کیا ہو گی مشکل سے تیس سال۔

"اٹھائیس سال۔" بجرنگی بولا۔

اوہ بھگوان۔ خیر! اگر عمر قید بھی ہوئی تو چودہ پندرہ سال کاٹنی پڑے گی اور بیالیس سال کی عمر میں لوٹ آئے گا۔" درگا داس نے یوں کہا جیسے وہ اپنے آپکو تسلی دے رہا تھا۔

"رام دیال کی عمر قید کے ساتھ عمر قید اس کی بیوی کو کاٹنی پڑے گی۔ مشکل تو یہ ہو گی۔" راحت نے کہا۔

"ہاں! یہ زیادہ سخت ہو گا۔ انسان اپنے کاموں کی سزا تو پاتا ہی ہے لیکن اس کے ساتھ کچھ بیگناہوں کو بھی بھگتنی پڑے گی۔" بجرنگی بولا۔

"ہاں، یہ تو ہوتا ہی ہے۔" درگا داس بولا۔ "اس زمانے میں شرافت کی سزا بڑی سخت ہے۔ بے ایمان، رشوت خور، اور دھوکے باز فریبی چالباز، اسمگلر، چین کرتے ہیں۔ کاروں میں گھومتے ہیں۔ ایئر کنڈیشنڈ مکانوں میں رہتے ہیں اور ان سیاستدانوں نے آزادی کا مطلب سمجھا ہے رشوت خوری، پارٹی بازی اور دولت۔"

اور ان لوگوں سے لڑنا مشکل ہے۔" راحت بولا۔ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔"

درگا داس بولا۔ "اچھا خدا کرے رام دیال کو کم سے کم سزا ملے۔"

"ہوں۔" بجرنگی بولا۔ راحت چپ رہا۔ درگا داس نمستے کہہ کر چلا گیا۔

"گھاؤ پر نمک لگانے آیا تھا۔" بجرنگی نے دانت پیس کر کہا۔

"یہ دنیا ہے اور اس دنیا میں سب طرح کے انسان ہیں۔" راحت نے کہا۔

"آؤ چلیں، شام کو وکیل صاحب سے ملنا ہے۔" کہہ کر وہ چل دیئے۔

اگلے دن پھر یہ ڈرامہ شروع ہو گیا۔ تمام عہدیدار حاضر تھے اپنا اپنا پارٹ

ادا کر رہے تھے۔ آج پچھ نے عہدیدار پیش کر دیئے گئے ان میں سب سے پہلے منی رام اسسٹنٹ سکریٹری تھا۔

"۔۔۔۔۔ میں مر گیا اور بچاؤ۔ بچاؤ کی آواز سن کر اپنے کمرے سے نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ انسپکٹر بسنت رائے بھاگ رہا ہے اس کے جسم پر خون تھا اور کچھ ہی دیر بعد ڈاکٹر اچاریہ اپنے کمرے سے نکلا تو وہ خون میں لت پت تھا وہ چلا رہا تھا پکڑو! رام دیال کو پکڑو۔ اس نے میرا قتل کیا ہے۔

یہ تھا ایک گزیٹیڈ افسر کا بیان وکیل صفائی نے جرح شروع کی۔

"تمہارا کمرہ ڈاکٹر اچاریہ کے کمرے سے کتنی دور ہے"

"کافی دور ــــ"

"کیا تم نے ملزم کو قتل کرتے دیکھا تھا"

"نہیں ــــ"

"کیا ملزم کو بھاگتے ہوئے دیکھا تھا ــــ"

"نہیں ــــ"

"کیا اس دن تم نے ملزم کو دیکھا تھا ــــ"

"نہیں ــــ"

"یور آنر! یہ پوائنٹ نوٹ کریں۔ قابل گواہ نے اس دن ملزم کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ جب اسے پکڑ کر لائے تب بھی نہیں"

وکیل صفائی نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن میرا مطلب تھا جواب دیں گے جسے میں پوچھوں گا" وکیل صفائی کے چہرے پہ فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

"کیا موجودہ گواہوں میں سے آپ نے کسی کو دیکھا تھا"

"میں سمجھا نہیں ــــ"

"کیا آپ نے درگا داس کو دیکھا تھا"

"جی نہیں ــــ"

"اگلا گواہ ــــ" وکیل صفائی نے کہا۔

راحت اور رام دیال کے بھائیوں کے چہرے پر امید کی جھلک پیدا ہو گئی۔ آخر وکیل نے اتنی بڑی فیس لی تھی انصاف تو ان گواہوں کی گواہی پر ہی ہونا تھا۔ لیکن گزیٹیڈ افسر گواہ کو وکیل صفائی نے کس آسانی سے جھوٹا ثابت کر دیا تھا۔ اسکی گواہی کی قیمت ہی نہ رہی تھی۔

اگلا گواہ سکریٹری اسسٹنٹ جوگا رام تھا۔

”میں اور کچھ اسسٹنٹ کھڑے تھے اور ہم انسپکٹر قیمت رائے سے باتیں کر رہے تھے۔ کہ رام دیال کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں خون آلود چاقو تھا۔ اس نے آتے ہی انسپکٹر قیمت رائے سے کہا کہ میں نے ڈاکٹر اچاریہ کا خون کر دیا ہے اب تمہارا خون کروں گا اور رام دیال نے انسپکٹر قیمت رائے پر تین وار کئے اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

وکیل صفائی نے جرح شروع کر دی۔

”انسپکٹر قیمت رائے پر پچاس روپے رام دیال سے رشوت لینے پر مقدمہ چلا تھا اور تم نے اس مقدمے میں گواہی دی تھی کہ یہ رقم قیمت رائے سے رام دیال نے قرض لی تھی اور اسے لوٹایا تھا۔“ ”جی ہاں ــــ“

”تمہاری اور کچھ لوگوں کی گواہی پر قیمت رائے بری ہو گیا تھا۔“ ”جی ہاں۔“

”اس پر رام دیال پر انکواری بٹھائی گئی اور اسے نوکری سے معطل کیا گیا۔“ وکیل صفائی نے پوچھا ــــ“ ”جی ہاں۔“

”اسی مقدمے کی وجہ سے رام دیال کو ڈاکٹر اچاریہ اور انسپکٹر قیمت رائے سے رنجش پیدا ہو گئی؟“ ”میں اس سوال پر اعتراض کرتا ہوں۔“ سرکاری وکیل نے کہا۔ ”میں اعتراض رد کرتا ہوں۔“ جج نے کہا۔

وکیل صفائی نے سوال دہرایا ــــ ”جی ہاں۔“

”جن گواہوں نے انسپکٹر قیمت رائے کی موافقت میں گواہی دی تھی ان سے بھی رام دیال ملزم کو رنجش پیدا ہو گئی ہو گی۔“ ”میں پھر اعتراض کرتا ہوں۔“ سرکاری وکیل نے چلا کر کہا۔ کچھ دیر بحث ہوتی رہی آخر میں وکیل صفائی جیت گیا اور سوال قائم رہا۔“ اس کا مطلب یہ تھا کہ سکریٹری اسسٹنٹ جوگا رام رنجش کے سبب گواہی دینے آئے تھے۔“

راحت کے چہرے پر امید کی کرن پیدا ہو گئی۔ آج تو وکیل صفائی کمال دکھا

رہا تھا اس نے دو خصوصی سرکاری گواہوں کی گواہی کا اثر کم کر دیا۔ رام دیال سوچ رہا تھا لیکن تم اس وقت کمرے ہی میں کہاں تھے تم تب مجھے دیکھتے ہی ہاتھ جوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور کھڑکی سے کود کر جان بچانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اگر تم مجھے چاقو مارتے دیکھ رہے ہوتے تو انسپکٹر قیمت رائے کے بعد میں تمھیں بھی ختم کر سکتا تھا۔ ذلیل اور جھوٹے آدمی تمھارے لئے تو ایک ہی وار کافی تھا۔ لیکن آج وہ عدالت میں تھا۔ اسکے ہاتھوں میں لوہے کی ہتھکڑیاں تھیں۔ اس کے ہاتھ میں چاقو نہ تھا وہ کمیٹی کے کمرے میں نہ تھا بلکہ سیشن جج کی عدالت میں تھا آج وہ آزاد نہ تھا بلکہ مجبور اور بے بس تھا۔ آج بھی اگر اس کے ہاتھ میں چاقو ہو اور اسکے ہاتھ کھلے ہوں تو جلگے لال جو رشوت خوروں کے کلب کا ممبر تھا۔ جھوٹ بولنے کی ہمت نہ کر سکتا تھا۔ یہ کس طرح کا انصاف تھا۔ یہ کس طرح سے تھے جو صرف طاقت کو منظور کرتے تھے جو صرف طاقت کے آگے سر جھکاتے تھے اس دن اس جلگے لال نے مجھے وار کرتے دیکھا تھا۔ ابھی میرے ہاتھ کھول دیئے جائیں اور مجھے چاقو دیا جائے تو جلگے لال فوراً سچ اگل دیگا۔

اسکے بعد ہسپتال کے تین گواہ پیش ہوئے۔ جنھوں نے بتایا کہ ڈاکٹر اچاریہ کے جسم پر کتنے زخم تھے۔ وہ کتنے لمبے اور کتنے گہرے تھے۔ اسی طرح انسپکٹر قیمت رائے کے جسم پر کتنے زخم تھے اور کتنے لمبے اور کتنے گہرے تھے۔ اور ان دونوں جسموں پر ایک ہی ہتھیار سے زخم لگائے گئے تھے۔

ایک ڈاکٹر نے جب کہا۔

"میں نے ڈاکٹر اچاریہ کو بچانے کی حتی الوسع کوشش کی۔"

یہ سن کر رام دیال کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"اگر تم اسے بچانے میں کامیاب ہو جاتے تو میں سزا کاٹ کر جب باہر آتا تو تمھیں سب سے پہلے ختم کرتا۔ تم نہیں جانتے ڈاکٹر میں کتنا بے چین اور مضطرب تھا صرف یہ جاننے کیلئے وہ مر گئے ہیں یا زندہ ہیں۔ اگر دونوں یا ایک بھی زندہ رہ جاتا تو میں تمھارا دشمن بن جاتا۔"

پردہ گرا دیا گیا تھا۔ آج کا کھیل ختم ہوا تو کمرۂ عدالت سے باہر نکلنے لگے باہر راحت کی ملاقات رام دیال سے ہو گئی۔ راحت کے ساتھ رام دیال کے بھائی بھی تھے۔

"آج تو ہمارے وکیل نے کمال کر ڈالا۔" راحت نے کہا اس کی آواز میں جوش تھا۔

"ایک ـــــ ؟"

"ایک گزیٹیڈ آفیسر کے بیان کو جھوٹا ثابت کر دیا۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" رام دیال نے سوال کیا۔

"استغاثہ کی کہانی بے بنیاد ہے۔" راحت نے کہا "اور سب سے بڑی فتح جلگے لال پر حاصل ہوئی۔ جلگے لال کی گواہی کی کوئی اہمیت اور وقعت نہیں رہی۔ اس نے ذاتی رنجش اور دشمنی کی وجہ سے گواہی دی ہے۔"

"میں قانونی پہلو نہیں سمجھتا۔" رام دیال نے آہستہ سے کہا "لیکن اتنا ضرور سمجھتا ہوں کہ میری سزا تجویز ہی نہیں ہو چکی ہے بلکہ لکھی بھی جا چکی ہے اور یہ سب ایک ڈرامہ ہے۔"

"اور آج کی کارروائی کے بعد میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر اسی طرح گواہ اکھڑتے رہے تو تمہیں زیادہ سے زیادہ عمر قید ہو سکتی ہے۔" راحت نے وثوق کے ساتھ کہا۔

"خیر! میں اب بھی کہوں گا کہ مجھے سزائے موت ملے گی اور کوئی سزا نہ ملے گی۔" رام دیال نے بھاری آواز میں کہا۔

"اچھا دیکھتے ہیں۔" راحت نے ایک افزا لہجے میں کہا۔

تیسرے روز سب سے اہم گواہ پیش ہوا۔ وہ تھا کمیٹی کا سکریٹری دین دیال ۔۔۔ جو رام دیال کی فہرست میں ملزم نمبر تین تھا۔ جس کی سزا رام دیال نے سنادی تھی۔ لیکن اسے عملی جامہ پہنا سکا تھا۔ آج وہ زندہ تھا اور اس کے خلاف گواہی دینے کیلئے کٹہرے میں کھڑا تھا۔ رام دیال نے اسے دیکھ کر غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں لیکن وہ اس کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکتا تھا۔

گواہ نے کہا۔

"ملزم دیال کو انسپکٹر قیمت رائے کے خلاف جھوٹا مقدمہ کھڑا کرنے کے سلسلے میں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا تھا اور اس انکوائری کمیٹی کا وہ ایک ممبر تھا۔ دوسرا ممبر مرحوم ڈاکٹر اجا دیہ تھا۔ میں اپنے کمرے میں دفتر کے روز حاضر تھا کہ میرے چپراسی نے بتایا کہ ڈاکٹر اجا دیہ کو رام دیال نے چاقو سے مارا ہے۔ میں نے اسی وقت ڈپٹی کمشنر صاحب کو ان کی کوٹھی پر فون سے مطلع کیا۔ پھر میں ڈاکٹر اجا دیہ کے کمرے میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ خون میں لت پت ہیں۔ ڈاکٹر اجا دیہ نے بتایا کہ ان پر رام دیال نے حملہ کیا ہے۔ میں نے کمیٹی کی

ایمبولینس بلوائی اور ڈاکٹر اچاریہ اور انسپکٹر قیمت رائے کو اس میں ڈلوا کر ہسپتال پہنچا دیا اسی روز ڈپٹی کمشنر صاحب کے حکم پر دن کے دو بجے میں نے انسپکٹر قیمت رائے کا بیان ہسپتال میں جا کر قلمبند کیا۔ چونکہ انسپکٹر قیمت رائے کی حالت نازک تھی اس لئے دوسرا مجسٹریٹ اس کم وقت میں بلایا نہ جا سکتا تھا۔ سکریٹری جب بننے سے پہلے میں مجسٹریٹ درجۂ اول تھا۔

رام دیال نے دل ہی دل میں کہا: "اور جب میں تھا اور دروازہ پیٹ رہا تھا اور میرے ہاتھ میں وہ خون آلود چاقو تھا۔ تو اس وقت تم نے مردانگی کا مظاہرہ کیوں نہ کیا۔ اسی وقت اگر دروازہ کھول دیتے تو آج تم یہاں کھڑے اس جھوٹ سے بے نیاز ہو جاتے۔ تم عدالت کو بتاتے کیوں نہیں کہ میں نے ڈر کی وجہ سے دروازہ بند کیا تھا۔

وکیل صفائی نے اس سٹار گواہ کو توڑنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور جرح شروع کر دی۔

"جس انکوائری کی بنا پر ملزم کو ملازمت سے برخاست کیا گیا اس کمیٹی کے آپ بھی ممبر تھے؟"

"ہاں ـــ" سکریٹری نے جواب دیا۔

"آپ نے ڈپٹی کمشنر سے جو کمیٹی کے صدر ہیں سفارش کی تھی کہ ملزم رام دیال سرکاری ملازمت کے نااہل ہے؟"

"ہاں ـــ"

"آپ کو اس کے کام سے کیا شکایت تھی؟"

"میں اس سوال پر اعتراض کرتا ہوں" سرکاری وکیل بولا۔

"اعتراض رد کیا جاتا ہے" سیشن جج نے کہا۔

سوال دوہرایا گیا تو جواب ملا: "ملزم براہ راست میرے ماتحت نہیں تھا وہ ڈاکٹر اچاریہ کے ماتحت تھا"

"پھر آپ نے کیسے تعین کر لیا کہ ملزم کا کام تسلی بخش نہیں!"

"ڈاکٹر اچاریہ کی رپورٹ پر ـــ"

وکیل صفائی مسکرا دیا: "آپ نے ذاتی طور پر تفتیش کرنے کی ضرورت نہ سمجھی؟"

"میں اس سوال پر اعتراض کرتا ہوں" سرکاری وکیل چلایا۔

اعتراض رد کردیا گیا۔

"میں نے دوسرے سینٹری اسسٹنٹوں اور انسپکٹروں سے دریافت کیا تھا۔" گواہ نے جواب دیا۔

"کیا اس علاقے میں جا کر لوگوں سے دریافت کیا تھا کہ ملزم رام دیال رشوت خور ہے یا نہیں ــــ"

"نہیں ــــ"

"عدالت یہ سمجھے کہ آپ نے اپنے کمرے میں بیٹھ کر جو ڈاکٹر اچاریہ نے کہا اسے سچ تسلیم کرلیا۔"

"میں نے دیگر انسپکٹروں اور اسسٹنٹوں سے دریافت کیا تھا۔"

"لیکن عوام سے نہیں۔" وکیل صفائی نے مسکرا کر کہا۔ "کیا یہ درست ہے کہ وقوع کے روز انسپکٹر قیمت رائے چھٹی پر تھا۔"

"اس روز کچھ لوگوں نے کہا تھا کہ انسپکٹر قیمت رائے چھٹی پر تھا لیکن ایک روز پہلے اس نے دفتر جوائن کر لیا تھا۔"

"آپ نے مرحوم انسپکٹر قیمت رائے کا بیان قلمبند کیا۔ کیا اس کے علاوہ جو چشم دید گواہ وہاں حاضر تھے ان میں سے کسی کا بیان قلمبند کیا۔"

"نہیں ــ"

"جس وقت انسپکٹر قیمت رائے پچاس روپے رشوت لینے کے الزام میں گرفتار ہوا آپ نے اگلے روز ملزم رام دیال کو ملازمت سے معطل کر ڈالا۔"

"جی ہاں۔"

"کیا اس کے معطل ہونے سے پولیس کا کیس کمزور نہ ہو سکتا تھا۔"

"میں نہیں کہہ سکتا۔"

"ڈاکٹر اچاریہ کی بیوی کیا کام کرتی ہے ۔؟"

"کوئی نہیں۔"

"اس کے ذرائع آمدنی کیا ہیں ؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"اس کے نام ایک کوٹھی ہے جس کی مالیت دو لاکھ ہے۔"

"کوٹھی ہے۔ لیکن میں مالیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔"

"ڈاکٹر اچاریہ کی بیوی کے نام دو کاریں ہیں۔؟"

"ہاں۔"

"ڈاکٹر اچاریہ کی ماہوار تنخواہ صرف سات سو روپے تھی۔"

"ہاں۔"

"اس آمدنی میں اور اس حالت میں جب ڈاکٹر اچاریہ کی بیوی کوئی کام نہ کرتی ہو، اور کا ذریعہ آمدنی نہ ہو تو یہ کوٹھی اور دو کاریں اس نے کہاں سے حاصل کیں۔"

"میں اس سوال پر اعتراض کرتا ہوں۔" سرکاری وکیل بولا۔

"اعتراض جائز ہے۔" سیشن جج نے کہا۔

"کیا ملزم نے کبھی آپ سے شکایت کی کہ ڈاکٹر اچاریہ اور انسپکٹر قیمت رائے اسے رشوت پیدا کرنے پر مجبور کر رہے ہیں؟"

"نہیں۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" رام دیال نے دل ہی دل میں کہا۔ "میں نے تین بار شکایت کی تھی اور تم نے مجھے ڈانٹ دیا تھا۔"

جھوٹ کی بنیاد پر عمارت تیار ہوتی رہی۔ تمام مسخرے اپنا اپنا رول کر رہے تھے۔ یہ حقیقت تھی کہ رام دیال قاتل تھا۔ لیکن اسے قاتل ثابت کرنے کیلئے جھوٹ ہی جھوٹ بولا جا رہا تھا۔ ایک سچ کو سچ ثابت کرنے کیلئے کتنے جھوٹ کی ضرورت ہوتی ہے یہ عدالت میں بیٹھے بغیر کم ہی پتہ چلتا ہے۔

ایک اور مسخرہ بطور گواہ پیش کیا گیا۔ اسکا نام ہمت سنگھ تھا جو ڈپٹی کمشنر کا اسٹینو گرافر تھا۔ اس نے بیان دیا۔

"...... واقعہ سے ایک روز پہلے ملزم ڈپٹی کمشنر صاحب سے ملنے آیا۔ تو میں نے بتایا کہ وہ اس روز نہ مل سکیں گے وہ دورے پر گئے ہیں۔ ملزم نے بتایا کہ ڈاکٹر اچاریہ نے اسے بلا وجہ ملازمت سے برطرف کرا دیا ہے اور وہ ڈاکٹر اچاریہ سے انتقام لے گا۔"

"جھوٹ ہے۔" رام دیال نے دل ہی دل میں کہا۔ "اس روز تو میں نے ایسا سوچا بھی نہ تھا اس کے بعد تو میں نے ڈاکٹر اچاریہ سے معافی مانگی تھی۔ گڑگڑایا تھا منتیں کی تھیں، رحم اور روزی کی بھیک مانگی تھی اور جب اس نے مجھے پاؤں کی ٹھوکر ماری تو میں نے انتقام کیلئے سوچا تھا۔"

وکیل صفائی نے جرح شروع کی۔

"کیا تمھیں ملزم نے بتایا تھا کہ اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے؟"

"ہاں۔"

"کیا ملزم نے بتایا تھا کہ وہ ایک غریب آدمی ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔" وکیل صفائی نے سوال کیا۔

"ہاں۔"

"ملزم ڈپٹی کمشنر سے فریاد کرنے آیا تھا؟"

"ہاں۔"

"ملزم نے جب اپنی گھریلو زندگی، بچوں اور غربت کی داستان سنائی تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے؟"

"ہاں۔"

"کیا ملزم نے کہا تھا کہ اسے رشوت پیدا کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا؟"

"ہاں۔"

"کیا ملزم نے کہا تھا کہ وہ ایک ایماندار آدمی ہے اور رشوت سے نفرت کرتا ہے؟"

"ہاں۔"

جرح ختم ہو گئی۔ اب وکیل صفائی بحث کے دوران ثابت کریگا کہ جو شخص اپنی حالت زار بتانے ڈپٹی کمشنر سے ملا ہو وہ انتقام کی بات نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد نصف درجن کے قریب گواہ پیش ہوئے۔ ان میں سے بیشتر علاقے کے تھانے کے تھے جنھوں نے بیان دیا کہ فون کب آیا۔ رپٹ اور دوائی کس نے درج کی کون

سب انسپکٹر اور کانسٹبل گیا وغیرہ وغیرہ۔

اس کے ساتھ ہی استغاثہ کی کہانی ختم ہو گی۔

صفائی کیلئے رام دیال نے کوئی گواہ نہ پیش کیا۔ صرف اسکا بیان ہی اسکی صفائی تھی۔
رام دیال نے رقت آمیز آواز میں عدالت کو بیان دیا۔

"اس نے اپنے بچپن کی داستان سنائی۔ کس طرح اس نے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا۔ اسے وظیفہ بھی ملا لیکن افلاس اور غربت کی وجہ سے تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ کس طرح ایک بنئے سے پچیس روپے لے کر اسے پہلی ملازمت ملی۔ اور اسے ملازمت سے برطرف کیوں کیا گیا۔ شرم اور غیرت کی وجہ سے وہ خودکشی کی ٹھان چکا تھا کہ اچانک اس کے پاؤں بھرتی کے دفتر میں گئے۔

میرے ساتھ بڑے بڑے وعدے کئے گئے۔ مجھے کہا گیا کہ جنگ کے خاتمے پر مجھے بی اے کی ڈگری مل جائے گی۔ اور بڑی بات نہیں میں کب آفیسر بن جاؤں۔ لیکن جنگ کے آخری ایام میں میرے عزیز ترین بھائی کی موت اور اس کے ایک ہفتے بعد والد کی موت نے مجھ سے میرا دماغی توازن چھین لیا۔ اسی روز مجھے پیراشوٹ سے اترنا تھا وہ پیراشوٹ کھل نہ سکا اور میں زخمی ہو گیا۔ کئی ماہ تک میں ہوش و حواس کھوئے رہا۔ کئی ہسپتالوں میں میرا علاج ہوتا رہا اور مجھے جب فوج سے Release کیا گیا تو میڈیکلی فٹ دکھایا گیا۔ اور مجھے پنشن سے محروم کر دیا گیا۔ اگرچہ میں پنشن کا مستحق تھا۔ میں اس ملک کی خاطر فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ میں نے موت کی بھی پرواہ نہ کی۔ میں ایک سپاہی تھا اور سپاہی بے ایمان نہیں ہو سکتا۔

انسپکٹر قیمت رائے مجھے مجبور کرتا تھا کہ میں رشوت پیدا کر دوں۔ ڈاکٹر اچاریہ ایک اور کوٹھی بنوانا چاہتے تھے۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا میں دفتر میں کلرکی کروں۔ اسے میری غیرت اور ایمان داری نے پسند اور گوارہ نہ کیا۔ جھوٹی گواہیوں کی بنا پر مجھے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ مجھے نااہل قرار دیا گیا۔ میرا کام تسلی بخش اور قابل اعتبار نہ سمجھا گیا۔ اور میری خطا صرف یہ تھی کہ میں رشوت

پیدا نہ کرتا تھا۔ انسپکٹر قیمت رائے نے مجھے بتایا کہ اس زمانے میں رشوت
بہت مزدوری لیے۔ حضور! آپ چل کر میرا گھر دیکھیں۔ وہ افلاس، غربت،
اور بھوک کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ میں جانتا تھا کہ ڈاکٹر اچاریہ کی بیوی
کوئی کام نہیں کرتی۔ اس کے نام پر ڈیڑھ دو لاکھ کی ملکیت کی کوٹھی ہے۔
اور دو کاریں ہیں۔ بینک کے لاک میں کئی سیر سونا ہے۔ جواہرات ہیں،
میں بھی اپنے گھر کی غربت افلاس اور بھوک کو دور کر سکتا تھا۔ لیکن میں
نے ایسا نہ کیا اور اس جرم کی پاداش میں مجھے ملازمت سے معطل کیا
گیا۔ بنئے نے صرف ایک ماہ کا ادھار دیا اس کے بعد گھر میں تین تین
روز چولہا نہ جلا۔ لیکن میں نے اپنے اصول کو قربان نہ کیا۔
اور جب مجھے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا تو میں ڈاکٹر اچاریہ سے
ملا۔ میں نے ان کے پاؤں پکڑ لئے۔ ان سے معافی مانگی۔ اپنے چھوٹے
چھوٹے بچوں کا واسطہ دیا۔ لیکن جواب میں انھوں نے میری پیشانی پر
بوٹ کی ٹھوکر ماری۔ مجھے گالیاں دیں۔ انسپکٹر قیمت رائے کمرے میں
موجود تھا۔ میں ان گالیوں اور ٹھوکر کو برداشت نہ کر سکا۔ اور میں نے ڈاکٹر
ہم دونوں میں ہاتھا پائی شروع کرنا چاہا۔
اچاریہ کا گریبان پکڑ لیا۔
انسپکٹر قیمت رائے نے جیب سے چاقو نکال کر مجھ پر حملہ کرنا چاہا۔
میں نے ڈاکٹر کو چھوڑ دیا اور انسپکٹر سے گتھم گتھا ہو گیا۔ تھوڑی سی
کوشش کے بعد وہ چاقو میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے ڈاکٹر پر وار کیا تو
انسپکٹر قیمت رائے بھاگ کھڑا ہوا۔ ڈاکٹر پر وار کرنے کے بعد میں نے
انسپکٹر قیمت رائے کو دوسرے کمرے میں پکڑ لیا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو
انسپکٹر قیمت رائے مجھ پر حملہ کر دیتا۔ میں نے ذاتی تحفظ کی خاطر اپنی جان
بچانے کی خاطر چاقو کا استعمال کیا۔ وہ چاقو میرا نہ تھا۔ میں نے وہ چاقو
انسپکٹر قیمت رائے سے چھینا تھا۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اپنی ذاتی تحفظ
کی خاطر کیا ہے۔" رام دیال نے
وکیل صفائی نے جو بیان رام دیال کو بتایا تھا۔

وہی بیان دیا جو استغاثہ کے گواہوں نے کہا تھا۔ رام دیال نے بھی اس انصاف کی خاطر جھوٹ کا سہارا لیا۔

لیکن یہ جھوٹ کمزور تھا۔

استغاثہ نے اس شخص کو بطور گواہ پیش کیا تھا۔ جس سے رام دیال نے چاقو خریدا تھا۔ لہذا تمام کہانی ذاتی تحفظ پہ بنا دی گئی۔

دو روز بحث جاری رہی۔ وکیل مسخروں کی طرح بڑھ بڑھ کر بولتے رہے۔ کتابوں کا حوالہ دیتے رہے۔ گواہوں کے بیان پر روشنی ڈالتے رہے۔ اور ایک روز ڈرامہ ختم ہو گیا۔

رام دیال کو سزائے موت سنا دی گئی۔

پھر وہی ہائی کورٹ — سپریم کورٹ — اور آخر میں صدر جمہوریہ سے رحم کی درخواست — اور یہ تمام مسترد کر دی گئیں۔ سرکاری افسروں کو ڈیوٹی پہ قتل کرنے کی سزا صرف موت ہو سکتی ہے دو رشوت خوروں کی موت کے سلسلے میں درجنوں رشوت خوروں نے جھوٹے بیان دیئے تھے۔ رام دیال جو تا عمر ایمانداری کے اصول کو چھوڑ نہ سکا آخر میں اُسے جھوٹ کا سہارا لینا پڑا۔ لیکن نتیجہ وہی تھا جو اس ڈرامے سے پہلے ہی لکھا جا چکا تھا۔

رام دیال اس ملک سے رشوت کو ختم نہ کر سکا۔ وہ ایک فرد تھا۔ وہ تنہا تھا۔ اکیلا تھا۔ وہ اس سماج کے ناسوروں پہ عمل جراحی کر کے بھی ان ناسوروں کا علاج نہ کر سکا۔ وہ روٹی حاصل نہ کر سکا جس کی خاطر وہ تختۂ دار پہ پہونچا تھا۔ اس کے بچے بھوکے تھے۔

جس روز رام دیال کو تختۂ دار پہ لٹکایا گیا۔ اسی شام ڈاکٹر اچاریہ کی بیوی اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی۔ قیمتی صوفے پر اس کے ساتھ ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ دونوں شراب پی رہے تھے۔

"تو تم تیار ہو —" اچاریہ کی بیوی نے نشے کی حالت میں سوال کیا۔

"ہاں! ڈیڑھ سو روپے ماہوار مجھے ملے گا۔ کھانا — شراب — اور — لباس — اور کام صرف یہ ہوگا......"

"تم ہر رات میرے ساتھ سوؤ گے —" ڈاکٹر اچاریہ کی ادھیڑ عمر بیوی نے مسکرا کر کہا۔" ڈاکٹر میرے لئے یہ کوٹھی، دو کاریں — پچاس ہزار کی انشورنس، تیس ہزار کا زیور چھوڑ کر مرا ہے۔ بے چارہ بہت اچھا تھا مرنے سے چار برس پہلے Impo tent ہو گیا تھا اس لئے میری زندگی پر کبھی اعتراض نہ کرتا تھا۔ اسے صرف دولت سے پیار تھا — دولت — اور آج یہ میرے کام آ رہی ہے"۔ بیوی نے ہنس کر کہا"جس دولت کی خاطر اس نے جان دی وہ اس کے کام نہ آئی"۔

"میں آج سے ملازمت منظور کرتا ہوں —"

"تم گڈ بوائے ہے —" بیوی نے مسکرا کر کہا۔

رشوت ہی ختم نہ ہوئی تھی بلکہ رشوت سے کوئی دولت بھی ختم نہ ہوئی تھی۔

"تو مرغا کھاؤ —" بیوی نے کہا "جانتے ہو وہ سالا رام دیال ہمارے Husband سے روٹی مانگتا تھا۔ صرف چھبیس برس کا تھا۔ جوان تھا۔ — ہمارے کو بولتا تو ہم اسے مرغا کھلاتا — وہسکی پلاتا — خیر! چھوڑو — جاکر لائٹ آف کر دو"۔

نوجوان نے اٹھ کر لائٹ آف کر دی اور کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔

— : ختم شد : —

کیا آپ نے کبھی یہ چار ناول بھی پڑھے ہیں ---؟

سورج مکھی | **پھولوں کی رانی**

راکھ کے پھول اور **اور شام ڈھل گئی**

ہندی ادب میں اتنے تھوڑے سے لمحہ کے اندر بے پناہ مقبولیت حاصل کرنے والے مصنف ڈالنو نے اردو ناول کو جس عمدگی اور خوبصورتی کے ساتھ نکھارا ہے وہ آپ کبھی نہ بھول سکیں گے۔ ڈالنو کے چار شاہکار درد بھرے رومانی ناول۔

کے بعد

برف کے انگارے اور **بہت دیر بعد**

آپ کی خدمت میں پھر حاضر ہیں۔ آج ہی اپنے شہر کے بک اسٹالوں کے یہاں اپنی کاپی محفوظ کرالیں ورنہ یقیناً آپ کو دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔

یہ دونوں ناول خوبصورت اور دیدہ زیب سرورق سے مزین ہیں۔

کسم پرکاشن۔ الہ آباد۔۳